فہرست مضمون نگارانِ معارف

جلد ۱۲۵

ماہ جنوری سنہ ۱۹۸۰ء تا جون سنہ ۱۹۸۰ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

شمار	مضمون نگار	صفحہ	شمار	مضمون نگار	صفحہ
۱	مولانا اخلاق حسین صاحب دہلوی	۱۸۴ ۲۶۳	۹	عمیر الصدیق دریابادی ندوی	۲۰۲
۲	مولانا افتخار فریدی مرادآباد	۶۷-۳۹۴		رفیق دار المصنفین	
۳	جناب سید بہاء الحق صاحب رضوی	۱۲۵	۱۰	ڈاکٹر قدسیہ انوار الحسن	۶۹
۴	جگن ناتھ آزاد	۴۵۴		صاحبہ الہ آباد	
۵	جناب آغا رشید مرزا صاحب کلکتہ	۱۳۶ ۳۹۳	۱۱	ڈاکٹر محمد سلیم اختر دی	۴۷
۶	جناب رضیہ خاتون وحید منزل	۳۱۰		اسٹریلین نیشنل یونیورسٹی	
۷	سید صباح الدین عبدالرحمٰن	۲ - ۶۷ ۲۴۶		کینبرا، آسٹریلیا۔	
		۳۲۲، ۳۲۵	۱۲	ڈاکٹر سید محمد فاروق بخاری	۲۲۲، ۲۹۰
		۴۰۲، ۴۰۵ ۴۵۶		شعبہ عربی امر سنگھ کالج	۶۴
۸	ضیاء الدین اصلاحی	۴۷، ۶۹ ۱۱۰- ۱۶۵ ۲۳۷-۲۴۵ ۳۸۴-۳۹۸ ۴۷۳		سری نگر کشمیر	

شمار	مضمون نگار	صفحہ	شمار	مضمون نگار	صفحہ
۱۳	محمد منظور نعمانی ندوی رفیق دارالمصنفین	۵۹-۱۴۲، ۳۱۹-۳۱۵	۱۵	ڈاکٹر نذیر احمد، مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ)	۸۵-۹۱، ۴۲۱-۳۴۹
۱۴	مولانا محمد ناظم صاحب ندوی سابق پروفیسر مدینہ یونیورسٹی مدینہ	۶۶	۱۶	شیخ نذیر حسین مدیر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام	۴۵۲

....

فہرست مضامین معارف

جلد ۱۲۵

ماہ جنوری سنہ ۱۹۸۰ء تا جون سنہ ۱۹۸۰ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

شمار	مضمون	صفحہ	شمار	مضمون	صفحہ
۱	شذرات	۲ - ۸۲، ۱۶۲ - ۲۴۲، ۳۲۲-[illegible]	۶	ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس ندوی کے ایک مکتوب پر تبصرہ	۱۳۶
	مقالات		۷	سیرۃ نبوی کی ایک اہم کتاب الشفاء پر ایک نظر	۲۷-۱۱۰، ۱۶۵-۲۴۵
۱	امام یوسف بن یحییٰ بویطی	۲۰۲			
۲	ایک مکتوب	۶۷	۸	صلیبی جنگ اور اس کے اہم پہلو	۲۲۵-۳۰۵
۳	حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے مجموعۂ ملفوظات فوائد السالکین کا مطالعہ	۱۸۴، ۲۶۳	۹	علمی خطوط	۳۹۲-۴۵۲
			۱۰	قاضی حمید الدین بلخی اور ان کا صحیح نام	۳۱۰
۴	حیات حضرت خواجہ محمد باقی باللہ پر کچھ تازہ مواد	۴۷	۱۱	قرآن کریم اور اس کی نسبت سے بعض علوم کی ایجاد و ترقی	۲۴۹-۲۶۰
۵	دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ اجلاس	۳۸۴	۱۲	کشمیر میں اسلام کی اشاعت	۲۲۲-۲۶۰، ۳۴۴

شمار	مضمون	صفحہ	شمار	مضمون	صفحہ
۱۳	مولانا سید محمد شاہ نقوی محدث رام پوری	۱۲۵	۲	تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند حصہ دوم (عربی ادب)	۱۴۲
۱۴	مولانا شبلی اور ان کی فارسی خدمات۔	۹ - ۴۵	۳	زندہ رود	۴۵۶
۱۵	مولانا عبدالسلام قدوائی مرحوم کی یادیں	۶۶		مطبوعات جدیدہ	۷۹ - ۱۵۹
				" "	۲۳۷ - ۳۱۵
	باب التقریظ والانتقاد			" "	۲۹۸ - ۴۰۲
				" "	۴۷۳
۱	تاریخ ادبیات اردو پر ایک نظر	۶۹			

جلد ۱۲۵ ماہ صفر المظفر سنہ ۱۴۰۰ھ مطابق ماہ جنوری سنہ ۱۹۸۰ء عدد ۱

مضامین

شذرات — سید صباح الدین عبدالرحمٰن — ۲-۸

مقالات

مولانا شبلیؒ اور ان کی فارسی خدمات — ڈاکٹر نذیر احمد مسلم یونیورسٹی علیگڑھ — ۹-۲۶

سیرت نبویؐ کی ایک اہم کتاب شفاء پر ایک نظر — ضیاء الدین اصلاحی — ۲۷-۴۶

حیات حضرت خواجہ محمد باقی باللہ پر کچھ تازہ مواد — ڈاکٹر محمد سلیم اختر وی اسٹریلین نیشنل یونیورسٹی، کینبرا آسٹریلیا، — ۴۷-۶۵

مولانا عبدالسلام قدوائی مرحوم کی یاد میں — مولانا محمد ناظم ندوی سابق پروفیسر مدینہ یونیورسٹی — ۶۶

مولانا افتخار فریدی کا ایک مکتوب — بنام سید صباح الدین عبدالرحمٰن — ۶۷-۶۸

باب التقریظ والانتقاد

تاریخ ادبیات اردو پر ایک نظر — ڈاکٹر قدسیہ انوار الحسن صاحبہ الہ آباد — ۶۹-۷۸

مطبوعات جدیدہ — "ض" — ۷۹-۸۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کو چودہ سو سال ہوئے، مگر آپ کی نبوت کا آغاز اس سے تیرہ سال پہلے ہوا، اس وقت سے اب تک مسلمانوں کی جو تاریخ رہی وہ آج کل زیر بحث ہے، مگر ہم کو اپنے عروج سے زیادہ اپنے زوال کے اسباب پر غور کرنا بھی ضروری ہے،

مسلمان اسلام میں داخل ہوئے تو جب تک انکے دلوں میں ایمان داخل رہا، یا جب تک انھوں نے قرآن حکیم کو اپنے سینوں سے لگائے رکھا، یا جب تک کعبہ کو اپنی جبینوں سے بسایا تو وہ دنیا کیلئے خیر و برکت بنے رہے وہ حق و صداقت کی خاطر کبھی خشکیوں اور کبھی دریاؤں میں لڑتے جنگ میں اڑے تو کبھی نہیں ٹلے کبھی یورپ کے کلیساؤں اور کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں اذانیں دیں، دلوں پر نقشِ توحید بٹھانے کی خاطر درۂ خیبر اکھاڑا، شہر قیصر کو مسخر کیا، آتشکدۂ ایران کو ٹھنڈا کیا، دشت تو دشت کوہ اور سمندر بھی نہ چھوڑا، ان کے عروج کی داستان اگر شاندار ہے تو ان کی تاریخ ان کے زوال کے اسباب سے بھی داغدار ہے، ان کی مذہبی فرقہ بندی کی کہانی ان کے سیاسی انتشار سے زیادہ المناک ہے،

قرآن حکیم کی یہ تعلیم تھی کہ مسلمان عصبیت کے شکار نہ ہوں، (مائدہ - ۲، نساء - ۱۴۱) وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، (حجرات - ۱) لیکن ان کی فرقہ بندی شروع ہوئی تو اب تک ختم نہیں ہو سکی ہے، سب سے پہلے شیعان علی کا فرقہ وجود میں آیا، وہ حضرت علیؓ کے وصی ہونے پر یقین کامل رکھتے تھے، اس لئے اسلام کے پہلے تین خلفاء کے منکر ہو گئے حضرت فاطمہؓ کی اولاد کو اوصیا سمجھ کر اپنا امام تسلیم کرتے رہے، مگر یہ بھی مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے کچھ معتدل اور کچھ غالی ہو گئے۔

غالی شیعوں میں فرقہ سبیہ عبد اللہ بن سبا کا متبع ہوا، یہ اس کی ترویج کرتا کہ اللہ تعالیٰ مجسّم ہو کر حضرت علیؓ کی شکل میں نازل ہوا، وہ شہید نہیں ہوئے بلکہ حضرت عیسیٰؑ کی طرح آسمان پر اٹھائے گئے ہیں، ایک اور غالی فرقہ غرابیہ کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ نبی کریمؐ سے اس طرح مشابہ تھے جیسے ایک کوا دوسرے سے ہوتا ہے حضرت جبرئیلؑ نے غلطی سے محمدؐ کو وحی لا کر دیدی، ایک تیسرا فرقہ کیسانیہ ہوا جو مختار بن عبید ثقفی کا پیرو رہا، یہ حضرت علیؓ کی

اولاد کو نبی سے کم نہیں سمجھتا، اور امام حسینؓ کے خون کا بدلہ لینے کا دعویدار ہوا، فرقہ زیدیہ غالی نہ تھا، یہ امام زید بن علی بن حسینؓ کا مقلد ہوا، یہ صحابۂ کرام کی تکفیر نہیں کرتا لیکن اپنے ائمہ کو رسول کے بعد سب سے افضل سمجھتا۔

شیعوں میں اثنا عشریہ کا فرقہ زیادہ پھیلا یہ حضرت علیؓ سے لے کر ان کی بارہ پشت تک کی اولاد کو اپنا امام مانتے ہیں اور ان ہی کو کتاب و سنت کا شارح سمجھتے ہیں، ان ہی میں سے فرقہ اسماعیلیہ نکلا اثنا عشریہ امام جعفرؒ کے بعد ان کے بیٹے موسیٰ کاظمؒ کو امام تسلیم کرتے ہیں، اسماعیلی امام جعفر صادق کے دوسرے بیٹے اسماعیل کو اپنا امام قرار دیتے ہیں، اسماعیلیوں ہی میں سے ایک فرقہ باطنیہ ہوا جس کا عقیدہ ہے کہ شریعت کے باطن کا علم صرف اسکے امام کو ہوتا ہے، قرامطہ، بوہرے، خوجے اور نزاری بھی اسماعیلیوں ہی میں سے ہیں، نزاریوں کا اہم داعی حسن بن صباح تھا جس نے فدائیوں کے نام سے ایک انتہا پسند فوجی دستہ بھی قائم کیا، اور ایک ارضی جنت بھی بنا رکھی تھی شیعوں ہی میں سے ایک فرقہ حاکمیہ بھی ہوا، جو چھٹے فاطمی خلیفہ حاکم بامر اللہ کا پیرو تھا، اس کا خیال تھا کہ ذات خداوندی اس کے پیشوا میں حلول کر آئی ہے، ایک فرقہ ایک ایرانی حمزہ الدرزی کی قیادت میں دروز کے نام سے ابھرا، دروز اس کو قائم الزمان اور مظہر عقل کل تسلیم کرتے، شام کا ایک فرقہ نُصَیریہ بھی حضرت علیؓ کی الوہیت کا قائل تھا

باطنیوں میں سے بابی اور بہائی فرقے نکلے، ایک مشہور لیکن ضعیف حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس شہر کے باب ہیں، شیخ احمد زین الدین احسائی نے دعویٰ کیا کہ وہ علم کا شہر باب یعنی تمام باطنی اسرار سے واقف ہے، یہ فرقہ شیخیہ کہلانے لگا، شیخ احمد کے جانشین سید علی محمد شیرازی نے مامور الٰہی اور باب ہونے کی حیثیت سے حامل نبوت اور پھر مظہر الوہیت ہونے کا اعلان کیا، ان کی وفات کے بعد ان کے دو مریدوں میں جانشینی کا جھگڑا ہوا، ایک کا لقب صبح ازل اور دوسرے کا بہاء اللہ تھا، ان دونوں کے مریدین ازلیہ اور بہائی کہلائے، مگر جو باب کے کسی جانشین کے قائل نہ تھے، بابیہ کے نام سے مشہور ہوئے، بہاء اللہ نے من یظہرہ اللہ ہونے کا اعلان کیا، اور ایسے دین کی تبلیغ کی جس کے ذریعہ سے یہ ظاہر کیا گیا کہ یہ تمام ادیان کا ناسخ ہے، اور سب کی نمائندگی کرتا ہے بابیوں کو اس سے اختلاف رہا، مگر وہ اس کے قائل رہے کہ ہر ہزار سال کے بعد شریعت بدل جاتی ہے،

شیعوں کے ساتھ خوارج کا بھی فرقہ پیدا ہوا، یہ ایک سیاسی فرقہ تھا، جو شیخینؓ کے علاوہ حضرت عثمانؓ

حضرت علیؓ دونوں کو نعوذ باللہ گمراہ سمجھتے اور اُن کے ماننے والے کو کافر اور مباح الدم سمجھتے، وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا حکم قابل قبول نہیں سمجھتے، وہ اس کے بھی قائل تھے کہ کوئی بھی مسلمان انتخاب کے ذریعہ خلیفہ ہو سکتا ہے انھوں نے اپنے غلو میں اس خیال کو دینی رنگ دیدیا، اور عبداللہ بن وہب الراسبی کو اپنا امیر المومنین بنایا، مگر ان کے بھی کئی فرقے ہو گئے، نافع بن ازرق کے پیرو ازارقہ کہلانے لگے، وہ اپنے مخالفین کو مشرک اور جہنمی سمجھ کر قتل کر دینے میں تامل نہ کرتے، عبداللہ ابن اباض کو اس انتہاپسندی سے اختلاف ہوا، تو وہ علٰحدہ ہو کر فرقہ اباضیہ کا بانی ہوا، پھر نجدہ بن عامر کے مقلدین فرقہ نجدات سے موسوم ہوئے، جو اشاعت اسلام کے لیے امام کے تقرر کو شرعی حیثیت نہیں دیتے مگر ان سے بھی الگ ہو کر ایک فرقہ نے ابو فدیک کی رہنمائی اختیار کی، فرقہ صفریہ زیاد بن الاصفر کا معتقد ہوا جو اپنے مخالفین کو مشرک نہیں سمجھتا، عبدالکریم بن عجرد کے ماننے والے عجاردہ کہلائے، یہ اسکے قائل تھے کہ بچے جب تک جوان ہو کر باضابطہ ایمان نہ لائیں خارج از اسلام ہیں، ان کی بھی علٰحدہ علٰحدہ شاخیں میمونیہ، حلفیہ، حمزیہ، اشعوبیہ، خازمیہ وغیرہ کے نام سے ہوگئیں، یہ بچوں کے ایمان کے بارہ میں متشدد نہیں، ایک فرقہ یزیدیہ نے اس کی ترویج کی کہ عجمیوں میں بھی ایک رسول پیدا ہوگا۔

———— . ————

اہل السنت والجماعت میں امام ابوحنیفہ، امام مالک امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ جیسے اجل فقہا ہوئے، جن کے مقلدین حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کہلائے، ان سے الگ اہل حدیث ہیں، جو کسی امام کے مقلد نہیں ہیں، مگر وہ سنی ہی سمجھے جاتے ہیں، سنیوں میں متکلمانہ اور فلسفیانہ موشگافیاں ہونے لگیں تو اعتقادی طور پر ان کے علٰحدہ علٰحدہ فرقے ہو گئے،

———— . ————

ایک فرقہ جبریہ ہوا جو اس کا قائل تھا کہ انسان سے جو کچھ سرزد ہوتا ہے، وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، اس کی اشاعت خراسانی الاصل جہم بن صفوان نے کی، اس کے مقابلہ میں قدریہ اٹھ کھڑے ہوئے جنھوں نے غیلان دمشقی کی اہم قیادت میں فرقہ جبریہ کی تردید یہ کہہ کر کی کہ انسان جو کچھ کرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا کوئی تعلق نہیں پھر ایک فرقہ مرجیہ ہوا جس میں ایک مرجیۃ السنت اور ایک مرجیۃ البدعت کہلایا، مرجیۃ السنت کا خیال تھا کہ گناہ گار کو اس کے گناہ کے مطابق سزا دی جائیگی، مگر وہ دائمی جہنمی نہیں ہوگا، مرجیۃ البدعت کہتے ہیں کہ ایمان کی موجودگی میں معصیت سے ضرر نہیں پہونچتا۔

———— . ————

واصل بن عطا کی سرکردگی میں معتزلہ کا گروہ پیدا ہوا جو مسائل کو عقل پر پرکھتا، اور جو بات عقل کے مطابق نہ ہوتی اس کو رد کر دیتا، اسکی عقلی تعبیرات سے خلق قرآن، باری تعالیٰ کی ذات، صفات اور رویت پر طرح طرح کی بحثیں اٹھ کھڑی ہوئیں، جن سے فقہا اور محدثین کو سخت اختلاف ہوا، مگر معتزلہ کے بھی بہت سے فرقے ہو گئے، بذلیہ، حائطیہ، بشریہ، معمریہ، مرداریہ، ثمامیہ، ہشامیہ، جاحظیہ، خیاطیہ اور جبایہ وغیرہ اپنے داعیوں کے نام سے منسوب تھے،

———— . ————

معتزلہ کے مقابلہ میں ابوالحسن علی اشعری کی رہنمائی میں اشاعرہ صف آرا ہو گئے، معتزلہ رویت باری تعالیٰ سے انکار کرتے، اشاعرہ کہتے کہ آخرت میں اسکی زیارت ہوگی، مگر اسکی صورت اور ہیئت بتائی نہیں جا سکتی، معتزلہ کہتے کہ ید اللہ سے مراد غلبہ ہے، اشاعرہ اس کا یہ جواب دیتے کہ ید سے مراد ہاتھ ہی ہے، جو انسانی ہاتھ کے برخلاف ذات خداوندی کی شان کے مطابق ہے، معتزلہ کا خیال تھا کہ قرآن مجید مخلوق اور حادث ہے، اشاعرہ یہ کہہ کر اس کو رد کرتے کہ کلام اللہ کی صفت ازلی ہے، اس لئے یہ غیر مخلوق ہے، دونوں میں اسی قسم کے اور مباحث ہوتے رہے،

———— . ————

امام ابوحنیفہؒ کے متبعین میں ابو منصور ماتریدی نے ان جھگڑوں کو یہ کہہ کر مٹانے کی کوشش کی کہ تفکر و تامل ضروری ہے، مگر عقل پر اسی وقت اعتماد کیا جا سکتا ہے جب یہ مشعل شرع سے منور ہو، انکے ماننے والے ماتریدیہ اشاعرہ او معتزلہ کے بین بین رہے

———— . ————

ایک گروہ سلفیہ بھی پیدا ہوا، اس کے خیال میں وہی عقائد معتبر ہیں جو کتاب و سنت کے عین مطابق ہیں عقل سے شرعی احکام کی تائید و توثیق تو ہو سکتی ہے، مگر عقل کی خاطر شرعی احکام ترک نہیں کئے جا سکتے، عقل کو نقل کے پیچھے چلنا چاہئے، اس کے پرجوش داعی امام ابن تیمیہ تھے، ان کا مسلک یہ تھا کہ تم میں سے جو کوئی خلاف شرع امر دیکھے وہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے، جو ایسا نہ کر سکے، وہ اپنی زبان سے اسکی مخالفت اور اصلاح کرے، جو یہ نہ کر سکے وہ اپنے دل سے اس کی مخالفت کرے۔

———— . ————

امام ابن تیمیہ کے مسلک کو نجد کے محمد بن عبدالوہابؒ سے زیادہ تقویت پہونچی، جب وہ مسلمانوں میں جتنی بدعتیں رائج ہو گئی تھیں ان کے خلاف نبرد آزما ہوئے، ان کے مقلدین وہابی کہلائے۔

———— . ————

مصر میں حسن البنّاء کی قیادت میں اخوان المسلمین کی جماعت دین اور سیاست کو ایک چیز قرار دے کر اسلام کے دینی اور سیاسی احیاء کی دعویدار ہوئی، اور اس کی تلقین کی کہ اسلام بیک وقت ایمان و عبادت، وطن و قوم، مذہب و حکومت، روحانیت و عمل اور قرآن و شمشیر سب کچھ ہے،

———— . ————

جس ملک میں مسلمان گئے اور پھیلے، وہاں کوئی نہ کوئی مذہبی فرقہ ضرور پیدا ہوتا رہا، مثلاً ہندوستان میں فیروز شاہ تغلق کے عہد میں اباحیتوں کا ایک فرقہ ایسا بھی تھا جو گناہ کو گناہ نہیں سمجھتا، اسی عہد میں دہلی کے ایک باشندہ رکن الدین نے مہدی ہونے کا دعوی کیا، پھر نویں صدی ہجری میں سید محمد جونپوری کے معتقدین اپنے کو مہدوی کہنے لگے، عہد اکبری میں بایزید روشن جالندھری نے نبوت کا دعوی کیا تو اس کے ماننے والے روشنیہ کہلانے لگے، اکبر نے خود دین الٰہی قائم کرکے مذہب کا ایک معجون مرکب تیار کیا، فرخ سیر کے زمانہ میں میر محمد حسین رضوی مشہدی نے بھی اپنے نبی ہونے کا اعلان کیا، اس کے معتقدین فربوسی کہلانے لگے، انگریزوں کے زمانہ میں مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے کو نہ صرف مہدی ظاہر کیا بلکہ یہ بھی یقین دلانے کی کوشش کی کہ حضرت مسیحؑ کی قوت ان میں لوٹ آئی ہے، ان کے معتقدین ان کو نبی ماننے لگے، اور وہ احمدی یا قادیانی کہلائے۔

بریلی کے مولانا احمد رضا خان کے پیرو بریلوی کہلاتے ہیں، جن کو انکے معترضین بدعتی کہتے ہیں، مگر بریلوی اپنے معترضین کے عقائد پر طرح طرح کے فتاوے صادر کرتے رہتے ہیں، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی قیادت میں جماعت اسلامی کے نام سے ایک سیاسی اور دینی جماعت اخوان المسلمین ہی کی طرح ابھری، یہ بھی اسکی قائل ہے کہ اسلامی ریاست کی اہم ترین ذمہ داری قانون شریعت کا نفاذ ہے، جو قرآن و سنت پر مبنی ہو، مگر اسکے بھی بعض عقائد زیر بحث رہتے ہیں، مولانا محمد الیاس کی مساعی جمیلہ سے ایک تبلیغی جماعت بنی جو مسلمانوں کو صحیح معنوں میں مسلمان بنانے کی کوشش کرتی ہے، مگر اسکے بھی معترضین پیدا ہو گئے ہیں،

علمائے ظاہر اور صوفیائے کرام کے اختلافات کی المیہ داستان الگ ہے، صوفیہ نے طریقت کے ذریعہ سے تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کی تعلیم دینی شروع کی تو کچھ علماء نے اسکو شریعت کی روح کے منافی قرار دیا، گو صوفیہ شریعت کے بغیر طریقت کو زندقہ سمجھتے ہیں، اور جب ابن عربی نے وحدت الوجود کا فلسفیانہ نظریہ پیش کیا تو ان پر گمراہی اور ضلالت کا الزام رکھا گیا، حضرت احمد سرہندیؒ نے وحدت الوجود کا ازالہ وحدت الشہود سے کیا، شاہ ولی اللہؒ نے دونوں کی تطبیق دینے کی کوشش کی، مگر مرزا مظہر جانجاناں جیسے بزرگان دین اس سے مطمئن نہیں ہوئے، اور اس مسئلہ پر اختلاف جاری ہے،

پھر صوفیائے کرام کے بھی مختلف فرقے نظری اور فکری حیثیت سے ہو گئے، محاسبیہ، قصاریہ، طیفوریہ، نوریہ، سہیلیہ، حکیمیہ، خرازی اور خفیفی وغیرہ اپنے اپنے پیشواؤں کے نام سے منسوب ہوئے، انکے سلسلے بھی علٰحدہ علٰحدہ ہو گئے، صرف ہندوستان میں چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، شطاریہ، فردوسیہ، اور مجددیہ وغیرہ اپنے سلسلے ہیں۔

ان فرقہ بندیوں سے مسلمانوں میں جو انتشار پھیلا وہ انکے سیاسی انتشار سے کم مہلک ثابت نہیں ہوا، شیعوں اور

سنیوں کے خوں ریز تصادم سے برابر ملی اور ملکی نقصانات ہوتے رہے، حسن بن صباح نے نظام الملک طوسی کا قتل کرایا، پھر اس کے مقلدوں نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی حملہ آوروں کا ساتھ دیا، فرقہ نصیریہ نے شام میں تاتاریوں کی حمایت کی، مصر کے فاطمی اندلس کی عرب حکومت کے مخالف رہے، اسی اختلاف کی وجہ سے ہلاکو خاں نے عروس البلاد بغداد کو مستعصم باللہ کے زمانہ میں خون اور لاشوں کا شہر بنا دیا، بنگال میں پلاسی اور دکن میں سرنگاپٹم کی لڑائیوں میں انگریزوں سے لڑتے ہوئے سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان شہید ہوئے، پھر بہائیوں نے ایرانی حکومت کے خلاف روسیوں سے مل کر سازش کی کہ وہاں کی حکومت ختم ہو تو ان کو بہائیت کی اشاعت کا موقع ملے، اب تو وہ خارج از اسلام قرار دیدیے گئے ہیں۔

ایک خارجی ابن ملجم نے حضرت علیؓ کو شہید کیا، ان ہی میں سے فرقہ ازارقہ امویوں اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے انیس سال تک جنگ کرتا رہا، انھوں نے شمالی افریقہ میں طنجہ کے مقام پر امویوں کی مخالفت میں عربوں کا قتل عام کیا، ان کے خلاف جنگ اشراف ہوئی تو عرب کے بڑے بڑے سرفرود عمائد کام آئے، عبدالملک بن مروان نے خارجیوں سے عاجز آکر ازارقہ اور فدیک کے مقلدوں کا خاتمہ کرا دیا۔

معاصر حکمراں بھی اپنے سیاسی مصالح یا ذاتی دینی رجحانات کی وجہ سے بعض مذہبی فرقوں کے حریف اور فریق بن جاتے، عبدالملک بن مروان خارجیوں کا سخت مخالف رہا، ہشام بن عبدالملک اموی نے امام زید بن علی بن حسین کو قتل کرا دیا، امام ابو حنیفہ عباسیوں کے بجائے سادات کی خلافت کے حق میں تھے، منصور نے عہدۂ قضا نہ قبول کرنے کے بہانے سے انکو قید خانہ بھجوا کر وہاں زہر دلوا دیا، اسی کے عہد میں مدینہ کے حاکم نے جبری طلاق کے مسئلہ پر امام مالکؒ کو ستر کوڑے لگوائے، خلق قرآن کے مسئلہ پر معتصم باللہ بن ہارون نے امام احمد بن حنبل کو اٹھائیس مہینے تک جیل خانہ میں رکھا، اور برابر کوڑے لگواتا رہا، بہائی حکومت ایران سے برسرپیکار ہوئے، تو ان کیلئے ہر قسم کی سزا اور تعذیب روا رکھی گئی، وہ ترکی سے بھی جلا وطن کیے گئے، مصری حکومت نے حسن البنا کی تحریک کو اپنے لئے خطرہ سمجھی تو ان کو قتل کرا دیا، پھر ان کی تحریک بھی ہر طرح دبا دی گئی۔

ہندوستان میں فیروز شاہ نے رکن الدین کو قتل کرا دیا، جس نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا، اسی عہد میں اباحیتوں کا بالکل قلع قمع کر دیا گیا، سید محمد جونپوری کے مخالفین نے ان کو کہیں چین لینے نہیں دیا، اکبر نے روشنیہ فرقہ کا خاتمہ ہمیشہ کے لیے کر دیا، اکبر کے دین الٰہی کے برے اثرات کو دور کرنے کیلئے حضرت احمد سرہندیؒ نے مجددانہ کارنامے انجام دیئے، مغلوں کے آخری عہد میں فربودی بھی ختم کر دیئے گئے، فیلڈ مارشل ایوب خان نے پاکستان میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کو پھانسی

کی سزا دی پھر معاف کر دی، قادیانیوں کو اب پاکستان میں غیر مسلم قرار دیدیا گیا ہے۔

فرقوں میں باہمی کشمکش بھی رہی، درزی عقائد کا، بانی حمزہ بن علی بن احمد آپس کے اختلاف سے قتل ہوا نجدہ بن عامر کو ابو فدیک کے حامیوں نے ہلاک کیا، فرقہ جبریہ اور قدریہ کے داعیوں میں سے جہم بن صفوان اور غیلان دمشقی دونوں کا قتل ہوا، حنابلہ ہمیشہ اشاعرہ کے مخالف رہے، دونوں میں کشت و خون تک کی نوبت پہنچ جاتی، امام غزالی نے امام ابو حنیفہ پر نہایت سخت نکتہ چینی کی تو انکے مخالفین ان کو زندیق اور ملحد قرار دینے سے باز نہیں آئے، ابن تیمیہؒ کے حاسدوں نے بار بار قید خانہ بھجوایا، آخر بار قید ہوئے تو وفات پاکر چھوٹے، آج بھی جہاں کہیں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو چھوٹے بڑے مذہبی اختلاف پر خونریز تصادم بھی ہو جاتا ہے۔

یہ دردبھری روداد اس ملت کی ہے جو خیر الامت کہلائی، جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ سب مل کر مضبوطی سے اللہ کے دین کی رسی کو پکڑے رہیں (آل عمران - ۱۱) پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ انکے دلوں میں ایسی محبت والفت پیدا کر دی ہے جو بڑے سے بڑا خزانہ صرف کر کے وہ حاصل نہیں کر سکتے تھے (انفال - ۶ آیت ۶۳) پھر یہ بھی حکم دیا تھا کہ وہ آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کریں ورنہ وہ بزدل ہو جائیں گے اور انکی ہوا خیزی ہو جائیگی، (انفال - آیت، ۴ - ۴۵) پھر رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا کہ مسلمان باہم ایک دوسرے سے مل کر اسطرح مضبوط ہوتے ہیں جیسے دیوار کہ اسکے ایک حصہ سے اسکا دوسرا حصہ مضبوط ہوتا ہے، یہ کہہ کر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا کہ کیسے ایک حصہ سے دوسرا حصہ مضبوط ہوتا ہے، (صحیح بخاری کتاب الادب ج ۲)

اسلام کے مفکر شاعر علامہ محمد اقبال کو یہ احساس رہا کہ مسلمانوں نے اپنی ہوا خیزی کے باوجود اللہ کے فرمان اور رسول کی ہدایت پر عمل نہیں کیا، اسی لیے انھوں نے اپنے خون دل کی بوند سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد مسلمانوں کیلئے قلمبند کیا ہے۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک — ایک ہی سب کا نبی، دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک — کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں — کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

خود ۱۴ سو سال کے بعد مسلمان اپنی فرقہ بندی کے المیہ پر خون کے آنسو بہائیں، اور سوچیں کہ ان کے لیے زمانے میں پنپنے کی باتیں کون سی ہیں۔

مقالات

مولانا شبلیؒ اور اُن کی فارسی خدمات

از

ڈاکٹر نذیر احمد، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

یہ مقالہ ملک کے مشہور اہل قلم جناب ڈاکٹر نذیر احمد سابق صدر شعبۂ فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے علامہ شبلی توسیعی لکچرز کے سلسلہ میں ۱۰ دسمبر ۱۹۷۷ء کو جناب مولانا ابو الحسن علی ندوی کی صدارت میں دار المصنفین شبلی اکیڈمی میں پڑھا، امید کہ ناظرین اس کا مطالعہ شوق سے کریں گے (ص ع)

علامہ شبلیؒ ایک جامع حیثیات بزرگ اور ایک عہد آفریں شخصیت تھے، وہ محقق، مورخ، ادیب، انشا پرداز، متکلم، مفکر، ماہر تعلیم سبھی کچھ تھے، سید سلیمان ندوی مرحوم نے بالکل ٹھیک لکھا ہے کہ وہ عہد جدید کے معلم اول تھے، ان کی شخصیت میں بڑی پُر تاثیر بوقلمونی ہے، انھوں نے اسلامی علوم و فنون اور تاریخ و تمدن کی بے نظیر خدمت انجام دی، ان کی تحریروں کے ذریعہ اسلامی تاریخ کے شاندار واقعات اور کارہائے نمایاں دنیا کے سامنے آئے، ان کا مقصد زندگی یہ تھا کہ اسلام کی تاریخی و تمدنی عظمت اس طرح پیش کی جائے کہ قوم کے دلوں میں از سر نو تازگی و امنگ پیدا ہو۔

مولانا بحیثیت مصنف ایک مجدد کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ تنقید و تحقیق کی موشگافیوں سے واقف تھے، اور استدلال کے نئے نئے ڈھنگ ایجاد کرتے تھے، ان کی ہر تصنیف اپنی جگہ ایک کارنامہ ہے، مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم، المامون، سیرۃ النعمان، سفرنامہ، الفاروق، الغزالی، علم الکلام، الکلام، موازنہ انیس و دبیر،

شعر العجم، اورنگ زیب عالمگیر، سیرۃ النبیؐ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر لاجواب تصنیف ہے، اتنے متنوع موضوعات پر مولانا نے جس طرح قلم اٹھایا ہے، کم لوگوں نے اٹھایا ہوگا، اور پھر ان میں جس طرح دادِ تحقیق دی وہ ان ہی کا حصہ ہے، ان کی تصانیف علم و فضل کے ایسے روشن منارے ہیں جن سے صدیوں تک رہنمائی ہوتی رہے گی، ان کی تحریروں سے اردو ادب کا دامن مالا مال ہوگیا ہے اور ان ہی کی خدمات کی وجہ سے اردو زبان بہ اعتبار علوم اسلامی عربی اور فارسی کے ہم پلہ ہوگئی ہے۔

مولانا شبلی ایک بڑے درجہ کے ادیب، انشا پرداز اور نقاد تھے، اور اسی اعتبار سے ان کی اکثر کتابیں اعلیٰ درجے کے نصاب میں شامل ہیں، وہ اردو ادب کے نامور معماروں میں ہیں، اردو کے ساتھ ساتھ فارسی زبان و ادب کی انھوں نے ایسی شاندار خدمات انجام دی ہیں کہ اُن کے معاصرین میں ہندوستان میں ان کا کوئی ثانی نہیں، اور بعض لحاظ سے ایران میں بھی انکے مرتبے کے شاید ہی ایک آدھ عالم نظر آئیں، آج کی صحبت میں ان کی فارسی خدمات کا مختصر سا جائزہ پیش کرنا ہے۔

علامہ کو فارسی شعر و ادب سے کم عمری ہی میں دلچسپی پیدا ہوگئی تھی، اور عمر کے ساتھ یہ شغف بھی بڑھتا گیا، دراصل مولانا فاروق چریاکوٹی کے فیضِ تربیت سے یہ جوہر قابل ایسا چمکا کہ استاد کے لئے مایۂ ناز بن گیا۔

مولانا کی طبیعت میں فارسی کا ذوق ایسا رچ بس گیا تھا کہ کوئی مجلس ہو فارسی کی گفتگو سے خالی نہ ہوتی، فارسی شعر اور مصرعے ان کی زبان پر ہوتے، شعر کے برمحل استعمال سے گفتگو میں لطف پیدا کرتے، کسی کو خط لکھتے تو فارسی لطائف سے پُرلطف بناتے تھے۔

کم عمری ہی میں شعر کا ذوق پیدا ہوگیا تھا، علی گڑھ آئے تو اس ذوق کو جلا ملی اور اب وہ بڑی خود اعتمادی سے شعر کہتے تھے، ان کا قصیدۂ عیدیہ اسی ابتدائی دور کا ہے جب ان کی عمر ۲۶ - ۲۷ سال کی تھی، اس نوجوانی میں بھی ان کی کہنہ مشقی دیکھئے، چند شعر پیش کرتا ہوں:

روزِ عید است و دگر کارِ جہاں گشت بساز　　باز شد بر رخِ گیتی درِ امید فراز

دست بیداد فلک آں ہمہ کوتاہ شد　　کہ دگر فتنہ نیارد کہ کند پائے دراز

خلق را تا زلب از خندہ فراہم آمد　　چوں گلِ تازہ کہ غنچہ اش نتواں کردن باز

حیف کیں شور و طرب یک دو نفس بیش نماند　　چہ کند عید بدروے کہ بود صبر گداز

جیشِ اسلام چو باشد ہدفِ تیرِ بلا　　خود چو کج باخت بایشاں فلکِ عربدہ ساز

فارسی کے شوق کا نتیجہ تھا کہ دیوانِ حافظ سے گہری دلچسپی پیدا ہوئی، یہاں تک کہ اس سے فال لینا شروع کردیا، ایک بار دیوان سے فال دیکھی کہ کالج کی قید سے کب رہائی ہوتی ہے، حافظ کے یہاں سے جواب ملا: وقت آنست کہ بدرود کنی زنداں را۔

فارسی سے ان کو جو تعلق تھا اس کا اندازہ ایک واقعہ سے بخوبی ہوگا، ۱۹۰۱ء میں کلکتہ یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد فارسی کو یونیورسٹی کے نصاب سے خارج کرنا چاہتے تھے، اس کی وجہ سے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ کلکتہ میں اس اقدام کے خلاف ایک تجویز پیش ہوئی، تجویز کی تائید میں علامہ شبلیؒ نے ایک مدلل تقریر کی، اس میں انھوں نے معترضین کے ان اعتراضات کا کہ فارسی کلاسیکی زبان نہیں، اس میں متخیلہ کو ترتیب دینے کی قابلیت نہیں اور نہ اس کے ادب میں علوم و فنون اور حقیقی شاعری ہے، ایسی خوبی سے دیا کہ لوگ حیران رہ گئے، مولانا نے بتایا کہ علوم و فنون کی وہ تمام شاخیں جو عربی میں ہیں فارسی میں بھی موجود ہیں، فلسفہ، منطق اور علم طب کی مکمل تصانیف اس میں پائی جاتی ہیں اور مسلمانوں کے پچھلے عہد زریں کی تاریخ کی وہی تنہا سرمایہ دار ہے۔ پھر انھوں نے مسلمان بادشاہوں کی فارسی میں خود نوشت سوانح عمریوں کا ذکر کیا جن کا جواب کسی زبان میں موجود نہیں، اس کے بعد مولانا نے فارسی کی فلسفیانہ شاعری کو بڑی خوبی سے بیان کیا، ساتھ ہی مثال کے طور پر فارسی کے بیسیوں اشعار پڑھ کر سنائے، اس سلسلہ میں مولانا نے ہفت بند کاشی کے اشعار جب اپنے مخصوص انداز میں پڑھے تو کانفرنس مجلسِ ماتم بن گئی۔

مولانا ہر موقع پر فارسی ہی میں شعر کہنا پسند کرتے تھے، ان کے دیوان پر سرسری نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے علی گڑھ، حیدرآباد، قسطنطنیہ یہاں تک کہ حجاز مقدس میں بھی فارسی میں بے دریغ شعر کہے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ علی گڑھ کے ابتدائی قیام ہی کے زمانے میں دیوان کی ترتیب اور طباعت کا پختہ عزم کر چکے تھے،

فارسی کے نادر مخطوطات سے مولانا شبلیؒ کی گہری دلچسپی کا حال مکاتیب شبلی سے معلوم ہوتا ہے، نادر مخطوطات کے علاوہ مصور نسخے، تصویریں، شبیہیں اور خوش نویسوں کے قطعے وغیرہ انھیں بہت عزیز تھے، اس سلسلہ میں مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی صاحب سے اکثر خط وکتابت رہتی، چنانچہ ذخیرۂ حبیب گنج کی بعض نادر کتابیں مولانا شبلیؒ ہی کی نشاندادہ ہیں، یہ مخطوطات اکثر وبیشتر فارسی ہی کے ہیں، نادر کتابوں میں انھوں نے امیر خسرو کے اعجاز خسروی کے ایک ایسے نسخے کا پتہ دیا تھا جو حضرت امیر خسرو کی وفات کے دس سال کے بعد کا مکتوبہ تھا، نہایت صحیح اور سرتاپا محشّی ہونے کے علاوہ اس میں لفظی رعایت کا نہایت درجہ اہتمام ہوا تھا۔

مولانا شبلیؒ کی فارسی خدمات کے سلسلہ میں جو کتابیں قابل ذکر ہیں اُن میں سب سے زیادہ مقبول اور مشہور شعر العجم ہے، یہ کتاب مولانا کی ناقدانہ بصیرت، شعر فہمی، دقیقہ سنجی، نکتہ رسی، جودت طبع، جمالیاتی حس اور کمال انشا پردازی کی مظہر ہے، یہ کتاب عالمگیر شہرت حاصل کر چکی ہے، مشرق ومغرب میں جہاں کہیں فارسی پڑھائی جاتی ہے وہاں شعر العجم کسی تعارف کی محتاج نہیں، اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ متعدد بار زیور طبع سے آراستہ ہوئی، فارسی میں ایران اور افغانستان دونوں ملکوں میں اس کے پانچوں حصے کے ترجمے ہوئے اور کم ازکم دو بار چھپے، مدتوں سے ہندوستان اور پاکستان کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ درجہ کے نصاب میں شامل رہی ہے، مغرب میں اس کی مقبولیت کا اندازہ پروفیسر براؤن کی تحریروں سے ہو سکتا ہے، براؤن کی تاریخ ادبیات فارسی میں بعض شاعروں کی

تبصرہ اسی کتاب سے من وعن لیا گیا ہے۔

اس کتاب کو جس قدر مقبولیت ہوئی اور مولانا شبلی کو جو شہرت حاصل ہوئی اس کا اندازہ شاید مولانا کو بھی نہ رہا ہوگا۔ اس کے پہلے دو تین حصوں کی تصنیف کو تقریباً ستّر سال ہوئے، اس درمیان میں فارسی کا وافر مواد جمع ہوا جو مولانا کے دسترس میں نہ تھا، لیکن اس کے باوجود اب تک کوئی کتاب ان موضوعات پر جن کا احاطہ شعر العجم نے کیا ہے، شعر العجم جیسی وجود میں نہیں آسکی ہے۔ مولانا شبلیؒ کی یہ تصنیف ہنوز نقش اول کی حیثیت رکھتی ہے، اور باوجود وسائل کی کمی کے ایسی کتاب مرتب ہوئی جو ستّر برس سے تاریخ شعر وادب فارسی کے خطے کی تنہا حکمراں ہے، اور ابھی مستقبل قریب میں اس کے جواب کی کوئی توقع نظر نہیں آتی۔

شعر العجم پانچ حصوں میں ہے، پہلے تین حصّے باعتبار ادوار مرتب ہیں، ان میں ہر دور کے شعر کے خصائص اور منتخب اور نمایندہ شعراء کے حالات اور ان کی شاعری پر تبصرہ ہے، چوتھے اور پانچویں حصّے شاعری کے اقسام اور تحول شعر کے مباحث کو حاوی ہیں،

پہلا حصّہ دور متقدمین سے متعلق ہے جو فارسی شاعری کی ابتداء سے ساتویں صدی کے اواخر تک ہے، اس کے مندرجات یہ ہیں:

ا۔ شعر کی حقیقت، فارسی شاعری کی ابتداء۔

ب۔ شعرائے دور سامانیہ: رابعہ، رودکی، دقیقی، شہید بلخی وغیرہ۔

ج۔ شعرائے دور غزنویہ: عنصری، فرخی، فردوسی، اسدی، منوچہری۔

د۔ پانچویں اور چھٹی صدی کے شعراء: حکیم سنائی، عمر خیام، انوری، نظامی گنجوی۔

شاہنامہ کے بارے میں مولانا کے موضوعات سے ان کے انداز بحث کا قیاس ہو سکتا ہے:

شاہنامہ، زمانہ تصنیف، تاریخی آخذ، شاہنامہ کی تاریخی حیثیت، شاہنامہ کی خصوصیات شاعری

پہلی خصوصیت ، کمال قدرت زبان ۔

دوسری خصوصیت ، ایرانی تہذیب و تمدن کا مرقع ہے ۔

تیسری خصوصیت ، عشقیہ شاعری میں حد اعتدال کا اعلیٰ نمونہ ہے ۔

چوتھی خصوصیت ، رزمیہ شاعری کے ساتھ بزمیہ کے اچھے نمونوں کا حامل ہے ۔

پانچویں خصوصیت ، واقعہ نگاری کے ایسے ایسے نمونے جن سے فارسی شاعری عموماً خالی ہے ،

چھٹی خصوصیت ، جذبات انسانی کی مصوری کے اعلیٰ نمونے ۔

ساتویں خصوصیت ، اختصار اور زور کلام ۔

آٹھویں خصوصیت ، صنایع و بدایع ۔

نویں خصوصیت ، شاہنامہ کی زبان ۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا نے شاہنامہ کا نہایت گہرا اور دقیق مطالعہ کیا ہے ، اسی طرح نظامی کی شاعری کے بارے میں مولانا کا تجزیہ نہایت دقیق ، مفصل اور مدلل ہے ، انھوں نے اس کی شاعری پر حسب ذیل موضوعات کے تحت بحث کی ہے :

(۱) تمام انواعِ شاعری پر قدرت (۲) نظامی کی اولیات (۳) زور کلام (۴) قوت تخیل کا مصرف ، (۵) استعارات و تشبیہات بدیع (۶) فلسفیانہ شاعری (۷) جذبات انسانی کا بیان (۸) مناظر قدرت ، (۹) عشقیہ شاعری (۱۰) رزمیہ شاعری (۱۱) نظامی اور فردوسی کا موازنہ ۔

اگرچہ ان میں سے ہر ایک موضوع پر نہایت دقیق انداز میں بحث کی گئی ہے ، لیکن نظامی اور فردوسی کی شاعری پر بڑے فاضلانہ انداز میں محاکمہ کیا گیا ہے ، اور اس بحث میں جس طرح کی دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی کا ثبوت دیا ہے اور جو طریقہ استدلال اختیار کیا ہے اس سے دو شاعروں کے درمیان موازنہ و محاکمہ کے اصول مستنبط ہو سکتے ہیں ۔

شعرالعجم کا دوسرا حصہ ساتویں صدی سے نویں صدی کے شعراء پر مشتمل ہے ، اس حصہ میں اس دور کے نمایندہ شاعروں میں عطار ، کمال اسماعیل ، سعدی ، خسرو ، سلمان ساوجی ، حافظ اور ابن یمین کی شاعری کا تجزیہ ہوا ہے ، اسی دور کے ممتاز شاعر مولانا روم پر الگ رسالہ لکھنے کی وجہ سے یہاں ان کا تبصرہ شامل نہیں ہے ، متذکرۂ بالا شاعروں میں سعدی خسرو اور حافظ کا تبصرہ خصوصیت سے قابل توجہ ہے ، سعدی کی شاعری پر حسب ذیل موضوعات کے تحت بحث ہوئی ہے : آزادی ، اظہار جذبات ، مرثیے کی اصلاح ، اخلاقی شاعری ، باریک نکتے ، قوت تخیل ، طرز ادا ، آخر میں ان کی غزل گوئی پر سیر حاصل بحث ملتی ہے ، اگرچہ مولانا حالی نے حیات سعدی میں سعدی کے حالات اور ان کے کلام پر بڑی جامع بحث کی ہے اور اسی بنا پر مولانا شبلی کو سعدی پر تبصرہ کرنے میں تامل تھا ، لیکن دوستوں کے اصرار سے لکھا تو ایسا لکھا کہ قارئین کو حیات سعدی سے بے نیاز کر دیا ۔

امیر خسرو کی شاعری پر آج تک ایسی مفصل تنقید نہیں ہو سکی ہے ، یہاں تک کہ ادھر امیر خسرو پر جو متعدد سمینار ہوئے اُن کی ساری بحثیں شعرالعجم سے بے نیاز نہیں کر سکتیں ، اسی طرح امیر خسرو کے حالات و کلام پر وحید میرزا کی کتاب حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے ، متعدد سمینار کے مجموعی نتائج اس کتاب پر خاطر خواہ اضافہ نہیں کر سکے ، امیر خسرو شاعری کی تینوں صنف یعنی قصیدہ ، غزل اور مثنوی میں کمال پیدا کر کے وہ جامعیت حاصل کر چکے کہ فارسی میں اس کی مثال کم ملتی ہے ، پھر خاص خاص موضوعات پر نظمیں لکھ کر ایشیائی شاعری پر جو اعتراض تھا اس کو رفع کر دیا ، ان کی تشبیہات تقلید پرستی کی قید سے آزاد ہیں ، ان کی تاریخی مثنویاں بہت اہم ہیں ، لیکن خمسہ باوجود اپنی مقبولیت اور شہرت کے ان کی دوسری نظموں سے کچھ پست ہے ، البتہ ان میں لیلیٰ مجنوں بہت زوردار مثنوی ہے اور یہ مثنوی یقیناً نظامی کی مثنوی کے مقابلہ کی ہے ، امیر خسرو غزل گوئی کے لحاظ سے بہت ممتاز درجے کے مالک ہیں ان کی غزل خمخانہ سعدی کی شراب ہے جو دوبارہ کھنچ کر تیز ہو گئی ہے ، تبصرہ کے ضمن میں جو اشعار منتخب ہوئے ہیں

اس سے بہتر انتخاب کا تصور نہیں ہو سکتا۔

خواجہ حافظ شیرازی کی شاعری پر علامہ نے جس طرح تنقید کی ہے اور اس میں جو لطیف نکات پیدا کئے ہیں، ان سے نقد و تبصرہ کے اصول مرتب ہو سکتے ہیں، مولانا کے خیال میں حافظ کی شاعری کے مہمات مضامین ان کا ذاتی سرمایہ نہیں بلکہ خیام کے ابر قلم کے رشحات ہیں، خواجہ کی شاعری کی وہ خصوصیات جن کی وجہ سے انھوں نے دنیا میں غلغلہ برپا کر رکھا ہے، ذوقی و وجدانی ہیں جن کا ادراک مذاق سلیم کر سکتا ہے، وجدانی کیفیات کی مولانا نے جس طرح تفسیر و توضیح کی ہے وہ دیکھنے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، روانی و برجستگی اور صفائی کے لحاظ سے حافظ کی شاعری سعدی اور خسرو سے بڑھ کر ہے، حافظ کی شاعری کا دوسرا وصف جوش بیان ہے، سعدی اور نظامی کے یہاں جوش بیان کا پورا پورا زور ہے، لیکن وہ اوروں کے خیالات اور واردات ہیں، بخلاف اس کے حافظ کے کلام میں جو جذبات ہیں وہ خود ان کے وارادات ہیں، اس لئے وہ ان کو ایسے جوش کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ ایک عالم چھا جاتا ہے، خواجہ کے کلام کا تیسرا وصف رندی اور سرمستی کے جذبہ کا غلبہ ہے، ان کے کلام میں یہ جذبہ جس جوش اور زور کے ساتھ پایا جاتا ہے، فارسی شاعری کی ہزار سالہ زندگی میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، چوتھا وصف بدیع الاسلوبی ہے، اس کی توضیح کے لئے جو مثالیں دی گئی ہیں ان سے صحیح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ جدت ادا کس کو کہتے ہیں، مثلاً معشوق کی آنکھ کو سب مخمور، مست و سرشار کہتے ہیں، حافظ نے اسی خیال کو اس انداز سے بیان کیا ہے:

ہر کس کہ بدید چشم او گفت   کو محتسب کہ مست گیرد

اس عنوان کے ذیل کے مزید اشعار کی تشریح کرتے وقت نئے نئے نکتے پیدا کئے ہیں، بعد ازاں حافظ کی شاعری کی چند اور خصوصیات یعنی واردات عشق کا بیان، فلسفہ، اخلاق، روزمرہ محاورہ، خوش نوائی، تسلسل مضامین کی توضیح و تشریح کی ہے، اور ایسے نکات نکالے ہیں، جو

پڑھنے اور دیکھنے کے لائق ہیں، حافظ کے اشعار جو شعر العجم میں منتخب ہوئے ہیں، در اصل ان کی شاعری کے بہترین نمونے ہیں۔

شعر العجم کا تیسرا حصہ فارسی شاعری کے دور آخر سے بحث کرتا ہے، اس دور میں مرکز ہندوستان تھا، اس اعتبار سے شعر العجم کا یہ حصہ سبک ہندی کے خصوصیات کی شرح ہے، اس سبک کے نمائندہ شاعر فغانی، فیضی، عرفی، نظیری، طالب آملی، صائب اور کلیم ہیں، اس دور کی حسب ذیل خصوصیات قابل ذکر ہیں:

(۱) غزل کی ترقی (۲) وقوع گوئی یا معاملہ بندی کی طرف عام رجحان (۳) فلسفہ کی آمیزش (۴) شان تغزل (۵) مثالیہ شاعری (۶) خیال بندی و مضمون آفرینی (۷) جدت اسلوب (۸) لفظی صنعت گری (۹) استعارات و تشبیہات میں جدت و نزاکت (۱۰) نئی تراکیب۔

اس دور کے جن شعراء کے بارے میں مولانا نے خصوصیت سے بحث کی ہے وہ عرفی اور نظیری ہیں، عرفی کے کلام کے یہ خصائص بیان ہوئے ہیں: زور کلام، نئی نئی تراکیب، جدت استعارات، مسلسل مضامین میں زور طبع و شور فصاحت و بلاغت، خودستائی و خودداری، مضمون آفرینی و نازک خیالی، جدت طرز ادا، ان اوصاف کی توضیح و تشریح کے بعد عرفی کی عشقیہ، فلسفیانہ اور اخلاقی شاعری پر بحث کی ہے۔

نظیری کے کلام کے حسب ذیل خصوصیات بتائے گئے ہیں:

نئے الفاظ و تراکیب، وجدانی امور کی تجسیم، واردات و کیفیات کی تشبیہ محسوسات سے، صحیح اور سچی واردات و کیفیات کا بیان، فلسفہ خیال، طرز ادا کی جدت، تسلسل مضامین، روزمرہ و محاورہ، ان اوصاف کے ضمن میں نظیری کے سیکڑوں اشعار کی ایسی تشریح ملتی ہے کہ اس سے شاعری کے لطیف نکات سامنے آتے ہیں۔

شعر العجم کا چوتھا حصہ حسب ذیل تین باب پر مشتمل ہے:

(۱) شاعری کی حقیقت و ماہیت (۲) فارسی شاعری کی عام تاریخ اور تمدن اور دیگر اسباب کا شاعری پر اثر (۳) تقریظ و تنقید۔

باب اول کے موضوعات یہ ہیں: شاعری کی حقیقت، شاعری کے اصل عناصر، محاکات یعنی تخییل، محاکات کی تکمیل کن چیزوں سے ہوتی ہے، تخئیل کی تفصیلی بحث، تخئیل کا مواد، تخئیل کی بے اعتدالی، تشبیہ و استعارہ، جدت اور لطف ادا، حسن الفاظ، الفاظ کی مفصل بحث، جملوں کے اجزاء کی ترکیب، واقعیت اور اصلیت، شعر کیوں اثر کرتا ہے، شاعری کا استعمال، شعر و شاعری کی عظمت، ان امور پر جس بالغ نظری سے گفتگو کی گئی ہے اس کی مثال فارسی اور اردو میں نہیں نظر آتی۔

باب دوم میں فارسی شاعری کی تاریخ، تدریجی رفتار ترقی، فارسی شاعری کی خصوصیات، فارسی شاعری پر جن جن امور کا اثر ہے ان میں سے قابل ذکر یہ ہیں: عربی شاعری، نظام حکومت، شخصی و خود مختارانہ طرز حکومت، فوجی زندگی، اختلاف معاشرت، آب و ہوا و مناظر قدرت۔

ان متنوع موضوعات پر جس طرح بحث کی گئی ہے اس سے مولانا کے مطالعہ کی وسعت اور غیر معمولی تنقیدی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے، ہر موضوع کی گفتگو ایسی مختصر مگر جامع ہے کہ اسے پھیلا کر ہر ایک پر ایک رسالہ تیار ہو سکتا ہے، گویا یہ حصہ کئی مجلدات کے مواد کا حامل ہے۔

باب سوم میں فارسی شاعری پر تفصیلی ریویو اس طرح کیا گیا ہے کہ پہلے شاعری کے انواع کا بیان ہے، پھر مثنوی کا ذکر ہوا ہے، اور اس کے بعد شاہنامہ پر مفصل و مدلل گفتگو کی ہے، پہلی جلد میں شاہنامہ کے خصوصیات بیان ہوئے تھے، یہاں ان پر مزید تفصیل کے ساتھ ان موضوعات کے تحت تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، شاہنامہ کی تاریخی حیثیت، ایران کی انسائیکلوپیڈیا،

شاہنامہ اور نظام حکومت، تہذیب و تمدن، فن جنگ، ضمنی اور مفید معلومات، شاہنامہ اور کیریکٹر، حکمت و اخلاق، موعظت و سیاست، آزادی رائے، عورتوں کا درجہ، شاہنامہ اور مذہب، شاہنامہ اور فن بلاغت، جذبات انسانی۔

شاہنامہ پر ایسی مفصل اور مدلل گفتگو اب تک سامنے نہیں آئی ہے، اگرچہ ایران میں بنیاد شاہنامہ کے نام سے ایک الگ ادارہ قائم ہے جو ہر سال شاہنامے پر سیمینار کراتا ہے، اور شاہنامے سے متعلق مواد بھی فراہم کرتا ہے، لیکن اس ادارے کی جانب سے شاہنامہ پر اب تک کوئی ایسا تبصرہ شایع نہیں ہوا ہے جو شعر العجم سے بے نیاز کردے۔ اور اگر اس طویل مدت کو ذہن میں رکھا جائے جو شعر العجم کی تصنیف اور ہمارے زمانے میں ہے تو اس کتاب کی عظمت کئی چند ہو جاتی ہے، تقریباً پون صدی کے بعد بھی متعدد دانشوروں کی مجموعی کوشش کا قدم تنقید شاہنامہ کے اعتبار سے شعر العجم سے آگے نہیں بڑھ سکا، جس طرح مولانا شبلی کا انتقاد شاعری بے نظیر ہے، اسی طرح ہندوستان کے عظیم محقق پروفیسر محمود شیرانی کے "فردوسی پر چار مقالے" فردوسی اور شاہنامہ پر تحقیق کی نسبت سے اپنا جواب نہیں رکھتے، یہ مقالے بھی افغانستان میں فارسی میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔

شعر العجم کا پانچواں حصہ دراصل چوتھے کا تتمہ ہے، اس میں قصیدہ، عشقیہ شاعری اور غزل، صوفیانہ شاعری، اخلاقی شاعری، فلسفیانہ شاعری پر تفصیلی تبصرہ و تنقید ہے، ان موضوعات پر جس تبحر علمی سے بحث کی گئی ہے اس کا کسی قدر اندازہ موضوعات کی تفصیل سے ہو سکتا ہے۔

قصیدہ: قصیدہ گوئی کے دور، دور قدماء کی خصوصیت، انوری کا اضافہ و تبدیلی، ظہیر فاریابی دقت آفرینی و مضمون بندی، اس کے اضافات، خاقانی کی خصوصیات، ایجاد طرز خاص، کمال اسماعیل پر قدماء کا خاتمہ، حملۂ تاتار کے بعد قصیدہ گوئی کا زوال، صفویہ اور قصیدہ گوئی میں نئی زندگی، حسین ثنائی، محتشم کاشی، سنجر کاشی، عرفی اور قدسی مشہدی، تکلف اور عیش پرستی کے اثر سے قصیدہ غزل سے نزدیک،

مشتاق اصفہانی، قاآنی کی خصوصیات، ہندوستان اور ایران، مرزا غالب، اجتہاد اور جدت۔

قصائد سے کیا کام لیا گیا، قصیدہ کا موضوع اور شرائط، فارسی اور عربی قصائد کا موازنہ، شعرائے فارس کا فخریہ، قصیدہ شاعرانہ مضامین کا سب سے بڑا میدان، فارسی قصیدہ گوئی نے خوشامد پرستی اور ذلت پرستی نہیں پیدا کی، قصیدہ گوئی بیکار نہیں گئی۔

عشقیہ شاعری: غزل کا آغاز، رودکی، دقیقی، تغزل، غزل اور تصوف، حکیم سنائی، اوحدی، عطار، مولانا روم، عراقی، سعدی اور غزل، سلمان اور خواجو، حافظ کی شاعری اس کے متعدد نکات، اس کے تغزل کی ہمہ گیری، غزل کا دور جدید، بابا فغانی اور اس کے پیرو، عرفی و نظیری، محتشم کاشی و شفائی، شرف جہاں، علی قلی میلی، ولی دشت بیاضی، وحشی، طرز فغانی میں تبدیلی، ظہوری، جلال اسیر، طالب آملی، کلیم، ناصر علی، بیدل۔

غزل: ایران میں غزل گوئی کے اسباب، ترکوں کا اثر، حملۂ تاتار اور تصوف، ایران اور عرب کا تغزل، فارسی غزل کے معائب و محاسن، تصوف اور غزل، فارسی تغزل اور واردات حسن و عشق، معشوق و محبوب اور دوسرے موضوعات غزل وغیرہ وغیرہ۔

صوفیانہ شاعری: تصوف نے فارسی شاعری میں روح پھونک دی، سلطان ابوسعید، حکیم سنائی کی صوفیانہ شاعری، حدیقہ و سیر العباد، اوحدی اصفہانی و جام جم، عطار اور ان کی صوفیانہ شاعری، مسئلۂ وحدت الوجود، صوفیانہ شاعری کی ترقی کے اسباب، اخلاق، فلسفہ اور تصوف، عراقی، محمود شبستری، شاہ نعمت اللہ ولی، مغربی، جامی، صوفیانہ شاعری کا زوال، فارسی شاعری میں تصوف کا سرمایہ، شریعت اور تصوف وغیرہ۔

اخلاقی شاعری: اخلاقی شاعری کا آغاز اور اس کی ترقی کے اسباب، اخلاقی مثنویاں، اخلاقی تعلیم، بادشاہوں کے مقابلہ میں طریقۂ اصلاح، ان کے مواجہہ میں حق گوئی، شیخ سعدی اور بوستاں،

میر حسینی، نظامی، ابن یمین، عمر خیام، قناعت و توکل، دولت و امارت کی بے ثباتی، عزت نفس اور ترک احسان پذیری۔

فلسفیانہ شاعری: فلسفیانہ شاعری کیا ہے، ناصر خسرو نے اس شاعری کی ابتدا کی، نظامی نے ترقی دی، بعد ازاں زوال، دور صفویہ میں پھر ترقی، فلسفیانہ شاعری کے موضوعات، حکیم کو دین و دنیا سے غرض نہیں، خود غرضی نامقبولیت کا سبب، فقر، دولتمندی کی تحقیر، اخلاق رذیلہ سے اجتناب، مسئلۂ جبر، عالم میں شر نہیں، تقلید سے نجات، جوہر و عرض، حقیقت رسی اور اس کے مدارج، ترک خودی اور اپنی بے حقیقتی، اتحاد مذاہب وغیرہ وغیرہ۔

شعر العجم کا پانچواں حصہ خود مولانا شبلی کے مسودات میں بے ترتیب پڑا تھا، بعد میں اس کو جوں کا توں شایع کر دیا گیا، یہ مسودہ نظر ثانی کا محتاج تھا، اس لئے کہ بعض مواد بے ترتیب ہے، کہیں مضامین میں تکرار ہے، بعض مقامات تفصیل طلب ہیں۔ جیسا کہ مولانا سید سلیمان ندوی نے اس جلد کے دیباچہ میں لکھا ہے شعر العجم کے پانچوں حصوں کا جو خاکہ پیش کیا گیا ہے اس سے اس علمی شاہکار کی نوعیت کا کسی قدر اندازہ ہوا ہوگا؛ اور اسی کی بنا پر مولانا کی شخصیت بین الاقوامی اہمیت و شہرت کی مالک ہے، اسی وجہ سے ہندوستان کا کوئی نقاد یا مورخ ان کا مدمقابل نہیں ہو سکتا، ایران میں بھی ان کے مرتبے کے چند ہی دانشور ہوں گے۔

شعر العجم کے قابل توجہ خصائص حسب ذیل ہیں:

(۱) یہ کتاب فارسی شاعری کی تاریخ اور اس کے ارتقاء کی اہم دستاویز ہے،

(۲) یہ فارسی اصناف سخن کی جامع تفسیر و تنقید ہے۔

(۳) یہ نقد الشعر کی اہم تصنیف ہے، اس کے مطالعہ سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

ا۔ اچھے اور برے شعر میں شناخت کے اصول۔

ب. شاعری کے محرکات کا علم.

ج. بڑے شاعروں کے امتیازات

د. دو شاعروں کے درمیان محاکمہ کے اصول.

ھ. خیال، جذبات و واردات کی لفظی تصویر.

و. شعری اصطلاحات کا ٹھیک ٹھیک تعین.

ز. شعر کی ایسی تفسیر و توضیح جس سے اندازہ ہو جائے کہ شاعر کے دل میں خیالات کس طرح پیدا ہوئے، اس کتاب کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ اس سے نقد الشعر کا ملکہ پیدا ہو سکتا ہے۔

۴. اس کتاب کا طرز عالمانہ اور دلنشین ہے، اردو کے اعلیٰ نصاب کے شمول میں اس کے طرز کو دخل ہے، امیر خسرو نے فارسی طرز کی توضیح و تشریح کے ضمن میں ایک طرز طرز علماء بتایا ہے، اور اس کی دو نمائندہ کتابیں قرار دی ہیں:

(۱) امام غزالی کی کیمیائے سعادت (۲) امام غزالی کی احیاء علوم الدین کا وہ ترجمہ جو بدر جاجرمی نے التمش کے وزیر نظام الملک جنیدی کی فرمائش پر کیا تھا، میرے خیال میں اردو میں شعر العجم کے طرز کو طرز علماء قرار دینا چاہئے۔

(۵) **مجموعۂ انتخاب اشعار،** شعر العجم میں فارسی کے ہزاروں اشعار کا انتخاب ہوا ہے، یہ انتخاب ایسا عمدہ ہے کہ اس لحاظ سے بڑے بڑے انتخاب اس کے مرتبے کے نہیں، دراصل شعر کے انتخاب میں ذوق سخن اور مذاق شاعری کا بڑا دخل ہے، اچھے انتخاب کے مجموعوں میں دو باتیں قابل توجہ ہوتی ہیں:

اول یہ کہ اس سے مرتب کے اعلیٰ مذاق سخن کا پتہ چلتا ہے، دوم اچھے انتخابات مذاق شاعری کے بدلنے میں بہت مفید ہوتے ہیں، انتخاب اشعار کے سلسلہ میں خود مولانا شبلی اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت اپنے ایک مضمون میں جو علامہ غلام علی آزاد بلگرامی پر تھا، اس طرح کرتے ہیں،

"خزانۂ عامرہ میں بعض جگہ دقیق علمی مباحث بیان کئے ہیں، جس سے ان کی علمی دقت نظر کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، یہ سب ہے، لیکن افسوس صد افسوس ہے کہ جو چیز تذکرے کی جان ہے وہ نہیں، ایران میں تذکرے سے مقصود عمدہ اشعار کا انتخاب ہوتا تھا، چنانچہ ابتدائی تذکرے صرف انتخابات ہیں، میرزا صائب کا انتخاب آج بھی موجود ہے جس میں کسی شاعر کا حال برائے نام بھی نہیں، صرف اشعار ہی اشعار ہیں، لیکن انتخاب اس درجہ کا ہے کہ ہزاروں تذکرے اس پر نثار کر دئے جائیں، والہ داغستانی اور آتشکدۂ آذر میں گو حالات بھی ہیں، لیکن اصل خصوصیت موجود ہے، بخلاف ان کے خزانۂ عامرہ بلکہ آزاد کے تینوں تذکرے گویا لغو اشعار کا مجموعہ ہیں، تمام کتاب میں مشکل سے ایک آدھ شعر اچھا نکل آتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں تمام ہندوستان کا مذاق شاعری سخت خراب ہو چکا تھا، مضمون آفرینی اور چھوٹی خیال بندی پر لوگ جان دیتے تھے، زبان کی دل آویزی، لطف بندش، لطافت و نزاکت سے کسی کو غرض نہیں رہی تھی، چنانچہ اس عہد کے جتنے تذکرے ہیں سب اسی مرض میں مبتلا ہیں، خان آرزو کا مجمع النفائس اس عہد کا عمدہ ترین تذکرہ خیال کیا جاتا ہے، اس کی بھی یہی حالت ہے، یہ بد مذاقی آخر تک قایم رہی، یہاں تک کہ مرزا مظہر جان جاناں نے ریزۂ جواہر انتخاب کیا، میں نے ثقات دہلی سے سنا ہے کہ مرزا غالب وغیرہ کا خیال تھا کہ ہندوستان میں فارسی شاعری کا مذاق صحیح جو دوبارہ قائم ہوا وہ اسی انتخاب نے قائم کیا۔"

آپ علامہ کی اس رائے سے ممکن ہے پوری طرح متفق نہ ہوں کہ تذکروں کا مقصد صرف[1] مذاق سخن کی

---

[1] آج کل تذکروں کی مدد سے تاریخ ادب مرتب ہوتی ہے اس لئے کہ انہی کے ذریعہ شعراء کے حالات معلوم ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ کچھ تذکرے ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو اشعار سے یکسر خالی ہیں، بلکہ اول اول ان میں اشعار کافی شامل تھے، اور اس سے ان کا حجم کافی بڑھ گیا، اس لئے بعض مرتبین نے ان سے اشعار نکال ڈالے، اس لئے کہ ان کا اولین مقصد حالات شعراء کا محفوظ کرنا تھا، اس سلسلہ میں دو تذکرے (باقی صفحہ ۳۴ پر)

پرورش ہے، لیکن اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ اچھے انتخاب مذاق شاعری کے قائم کرنے میں سودمند ہوتے ہیں، شعرالعجم کے منتخب اشعار فارسی کے صحیح مذاق شعری کے پیدا کرنے میں بہت مفید ثابت ہوئے ہیں

اس سے قبل شعرالعجم کی عظمت، اور غیر معمولی مقبولیت و شہرت کا ذکر آچکا ہے، لیکن اگر آپ چند امور کو پیش نظر رکھیں تو اس سے مولانا شبلی کی عظمت دوبالا ہو جاتی ہے، مولانا نے آج سے پون صدی پہلے شعرالعجم کی بنیاد ڈالی، اس وقت مواد کی بے حد کمی تھی، سوائے ہندوستان کے اور کسی جگہ کی چھپی ہوئی کتابیں بہت ہی کم دستیاب تھیں اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایران، افغانستان اور ماوراءالنہر وغیرہ میں چھاپے کے وسائل کی بڑی کمی تھی، کتابیں کہاں سے ملتیں لیکن آج فارسی کی ہزاروں کتابیں ایران و افغانستان میں چھپ کر عام ہو چکی ہیں، سیکڑوں شعراء کے دیوان کے انتقادی متن چھپ چکے ہیں، فارسی کے تذکرے اور تاریخیں تعلیقات و حواشی کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہیں، فارسی کی اہم کتابیں چھپ چکی ہیں، بہت کم صوفیانہ اور عارفانہ ادب بھی چھپنے سے باقی نہیں رہ گیا ہے، خاصے لغات بھی چھپ چکے ہیں، ان کے علاوہ ایران، افغانستان، تاجیکستان سے علمی و ادبی رابطے قائم ہو چکے ہیں، فارسی ادب کی اہم شخصیات پر سیمینار کے الگ الگ مجموعے شائع ہو چکے ہیں، ان اہم شخصیات کے نام سے الگ الگ ادارے قائم ہیں جو ان کی کتابیں چھاپتے ہیں اور ان پر ضروری مواد فراہم کرتے ہیں، سیکڑوں مصنفین و شعراء پر الگ الگ مقالے لکھے جا رہے ہیں، غرض یہ سارا مواد جس پر تاریخ شعر و ادب کا انحصار ہوتا ہے شعرالعجم کی تصنیف کے زمانے میں ناپید تھا، لیکن باوجود وسائل کی

(بقیہ صفحہ ۲۳) قابل ذکر ہیں، ایک دسویں صدی ہجری کا عام تذکرہ خلاصۃ الاشعار ہے جس کی پہلی روایت میں کئی لاکھ شعر شامل ہوں گے، لیکن ایک روایت ایسی بھی ملتی ہے جو اشعار سے یکسر خالی ہے، دوسرا تذکرہ خوان خلیل، تالیف ابراہیم خلیل عظیم آبادی ہے، یہ چند مثنوی گو شعراء کا تذکرہ ہے، لیکن اس کا ایک ایسا نسخہ بھی بانکی پور پٹنہ لائبریری میں موجود ہے، جس میں اشعار کا کوئی انتخاب نہیں ہے۔

سخت کمی کے مولانا شبلی کی شعرالعجم کا جواب نہ مشرق سے بن پڑا اور نہ مغرب سے۔

اب میں دو بیرونی دانشوروں کی شہادت پیش کرنا چاہتا ہوں، جنھوں نے شعرالعجم سے استفادہ کیا تھا، ان میں ایک ایرانی استاذ پروفیسر سعید نفیسی ہیں اور دوسرے انگلستان کے مشہور و معروف مورخ پروفیسر براؤن، پروفیسر نفیسی لکھتے ہیں:

"اس سودمند اور پرمغز کتاب (شعرالعجم) کا امتیاز یہ ہے کہ یہ پہلا مجموعہ ہے کہ جس کے ذریعہ ایک دانا اور روشن بیں شخص نے فارسی ادب کے خزانۂ جاودانی کے گراں قدر جواہر پاروں کے تجزیہ و تحلیل کی کوشش کی ہے ... اور یہ کتاب شبلی کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھے گی، اہل ایران کی نظر میں جس چیز سے اس کتاب کی اہمیت دوبالا ہو جاتی ہے یہ ہے کہ اس جاودانی کتاب کے محترم مؤلف نے اپنے ہر بیان میں نہایت واضح طور پر فارسی زبان اور اس کے شاعروں سے نہ صرف اپنی محبت، بلکہ اپنی شیفتگی کا اظہار کیا ہے۔

جو حضرات ادب فارسی کی تحقیق و تدقیق سے سروکار رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ان کے دشوار گذار مرحلوں میں اسی کتاب سے صحیح رہنمائی ملے گی، شبلی نے اس کتاب میں نقادی اور موشگافی میں استادانہ مہارت دکھائی اور در حقیقت یہ نہایت حیرت انگیز امر ہے کہ ایران سے دور ایک ایسا شخص جس نے سرزمین ایران پر کبھی قدم نہ رکھا ہو اور جو اہل ایران سے کسی طرح کا اختلاط نہ رکھتا ہو، وہ اس زبان کے رموز سے ایسا آشنا ہو اور اس زبان و ادب کے رموز و دقائق کے بارے میں اس کی رائے ایسی صائب ہو۔"

پروفیسر براؤن شعرالعجم سے بہت متاثر تھے، چنانچہ امیر خسرو، سلمان ساؤجی اور حافظ کے سلسلے کا کافی مواد شعرالعجم سے حاصل کیا ہے، انھوں نے مولانا شبلی کی اس کتاب کی تعریف کا حق ادا کر دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"جو لوگ اردو جانتے ہیں ان کی توجہ ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی جدید کتاب شعرالعجم تالیف

شبلی نعمانی مرحوم کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں، یہ کتاب علی گڑھ میں ۱۳۲۵ / ۱۹۰۷ میں دو جلدوں میں چھپی ہے اور اس میں فردوسی سے لے کر حافظ تک کے تقریباً بیس۲۰ فارسی شاعروں کے کلام پر نقد و تبصرہ ہے"۔

"دو ہندوستانی دانشوروں کی دو اعلیٰ درجہ کی تصنیف کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے، ان میں ایک انگریزی میں اور دوسری اردو میں ہے، دوسری تقریباً بیس۲۰ ممتاز فارسی شعراء کے کلام کا ایک قابل قدر تنقیدی مجموعہ ہے، جس کا عنوان شعر العجم اور جس کے مصنف شبلی نعمانی ہیں' یہ ۲۵-۱۳۲۴ / ۷-۱۹۰۶ میں مرتب اور علی گڑھ میں طبع ہوئی"۔

"بحیثیت مجموعی عمدہ ترین اور مکمل ترین تنقیدی مطالعہ جس سے میں روشناس ہوں' وہ شبلی نعمانی کی فارسی شاعری پر اردو تصنیف شعر العجم ہے، مجھے احساس ہے کہ میرے لئے اس سے بہتر اور کوئی صورت نہیں کہ بہر حال میں اس کتاب کے اس حصہ کا خلاصہ اپنی کتاب میں شامل کر لوں جو شاعر (حافظ شیرازی) کی زندگی اس کے ذاتی حالات سے متعلق چند واقعات سے تعلق رکھتے ہیں' اور اس کے تعلقات اپنے معاصرین سے جو اس کے اشعار سے حاصل ہوتے ہیں' ساتھ ہی ان منابع کی نشاندہی بھی کر دوں جن کی طرف فاضل مولف نے اشارہ کیا ہے' ان منابع میں وہ خاص طور پر حبیب السیر مولفہ خواند میر اور میخانہ تالیف عبدالنبی فخر الزمانی (مرتبہ ۱۰۳۶ / ۲۷ - ۱۶۲۶ بہ عہد جہانگیری) کا ذکر کرتے ہیں، مگر اس آخری کتاب کا کوئی نسخہ میرے پیش نظر نہیں"۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ پروفیسر براؤن اور علامہ شبلی ایک ہی زمانہ میں اپنی اپنی کتابیں مرتب کر رہے تھے، مگر براؤن کا مقصد ایران کی ادبی و علمی تاریخ نگاری ہے' اس میں شعراء کے علاوہ علم و ادب کے تمام شعبوں کے دانشوروں کا تذکرہ شامل ہے' اس کے برخلاف شعر العجم کا موضوع فارسی شاعری ہے اس بنا پر یہ دونوں کتابیں ایک دوسرے کے تتمہ کا کام کر سکتی ہیں۔ (باقی)

سیرتِ نبویؐ کی ایک اہم کتاب

الشفا پر ایک نظر

از ضیاء الدین اصلاحی

الشفا بتعریف حقوق المصطفےٰ مشہور مالکی عالم قاضی عیاض بن موسیٰ (م ۵۴۴ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب ہے، قاضی عیاض کا وطن اندلس کا مشہور شہر سبتہ تھا، وہ دینی علوم تفسیر، حدیث اور فقہ و خلاف کی طرح نحو و لغت، کلام عرب، انساب اور ایام و وقائع میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے، اپنے وطن سبتہ کے علاوہ غرناطہ کے بھی مدتوں قاضی رہے،

مالکیہ میں علامہ ابن عبد البر (م ۴۶۳ھ) سب سے ممتاز شارحِ حدیث سمجھے گئے ہیں[1] لیکن قاضی عیاض کا پایہ بھی اس حیثیت سے کم نہ تھا، ان کی تصنیف اکمال المعلم صحیح مسلم کی مشہور و معتبر شرح ہے، اس سے متاخرین نے بڑا استفادہ کیا ہے، امام نووی (م ۶۷۶ھ) کی بے نظیر شرح مسلم میں بھی اس سے استفادہ کیا گیا ہے۔

قاضی عیاض کی دوسری تصنیفات بھی مفید اور مقبول ہیں، مگر الشفا ان کی سب سے اہم بالشان کتاب ہے، عربی میں سیرت نبویؐ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، اُن میں یہ اور زاد المعاد ابن قیم (م ۷۵۱ھ) اپنے مضامین کی نوعیت، ندرت، اثر انگیزی اور دلنشینی وغیرہ کے اعتبار سے خاص طور پر بڑی اہم ہیں، زاد المعاد کی اہمیت اور بلند پایگی میں کلام نہیں، مگر

---

[1] عجالہ نافعہ شاہ عبدالعزیز ص ۱۱

کتاب الشفا کو زمانی تقدم کا شرف حاصل ہے ابن فرحون مالکی (م ۷۹۹ھ) لکھتے ہیں

"مصنف کی انفرادیت، جدت اور سبقت و تقدم مسلّم ہے، لوگوں نے اس کتاب کی نقل و روایت کر کے اس سے بڑا فائدہ اٹھایا ہے، اور شرق و غرب ہر جگہ اس کا غلغلہ بلند ہے"[1]

حاجی خلیفہ (م ۱۰۶۷ھ) کا بیان ہے :-

"یہ نہایت بیش قیمت اور مفید کتاب ہے، اس سے پہلے ایسی عمدہ کتاب نہیں لکھی گئی"[2]

کتاب الشفا کی اہمیت اور خصوصیت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ یہ مسلمانوں کے ہر طبقہ و مسلک میں مقبول اور پسندیدہ رہی ہے، میرزا محمد باقر موسوی (المولود ۱۲۲۶ھ) لکھتے ہیں :-

"ہمارے اصحاب یعنی فرقہ امامیہ کے لوگوں نے بھی اس کے بکثرت اقتباسات نقل کئے ہیں، در حقیقت اس میں بیشمار فوائد، بلند تحقیقات اور رسول اللہ صلعم کی ولادت سے وفات تک کے حالات و واقعات کے متعلق حدیثیں شامل ہیں، مصنف نے اس میں اکابر شیوخ سے روایتیں نقل کی ہیں"[3]

اس کتاب کی اہمیت و عظمت اور خصوصیات کی بنا پر اس مضمون میں اس کے محاسن ذکر کئے جاتے ہیں۔

کتاب الشفا کئی بار چھپ چکی ہے، علیحدہ بھی اور اپنی بعض شرحوں کے ساتھ بھی، دار المصنفین کے کتبخانہ میں اس کے دو قلمی نسخے اور احمد شہاب الدین خفاجی مصری (م ۱۰۶۹ھ) کی شرح نسیم الریاض

[1] الدیباج المذہب ص ۱۰۰، [2] کشف الظنون ج ۲ ص ۹۲۰ [3] روضات الجنات ...

کے ساتھ چھپا ہوا اڈیشن بھی موجود ہے، یہ شفا کی اہم اور مشہور شرح ہے، جو چار جلدوں میں آستانہ سے شائع ہوئی ہے۔ یہ شرح عام طور پر لوگوں کی دسترس میں ہے، اس لئے اس مضمون میں اسی کے حوالے دئے گئے ہیں، کتاب الشفا کسی کی فرمایش پر تحریر کی گئی ہے، قاضی عیاض تمہید میں لکھتے ہیں :-

"تم نے ایک ایسا مجموعہ مرتب کرنے کے لئے بار بار اصرار کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت پر مشتمل ہو اور اس میں یہ بیان کیا گیا ہو کہ لوگوں پر آپ کا کیا ادب و احترام لازمی اور ضروری ہے، اور جو لوگ آپ کی عظمت و توقیر میں کمی اور کوتاہی کریں ان کے بارے میں کیا حکم ہے، ایسے لوگوں کے متعلق امت کے اسلاف اور ہمارے ائمہ و اکابر کا کیا طرز عمل رہا ہے، یہ بڑا دقت طلب اور مشکل کام ہے، اگر فکر صحیح اور عقل سلیم کی رہبری اور توفیق الٰہی شامل حال نہ ہو تو لغزش اور خطا کا بڑا امکان و اندیشہ ہے لیکن چونکہ اس سے برکت، ثواب اور انعام کی امید ہے، اور یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں جو اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ خصائل جمع ہو گئے تھے وہ کسی بھی مخلوق کے اندر نہیں پائے جاتے اس لئے ان کا بیان بڑی اہمیت رکھتا ہے اور بلاشبہ ان سے واقفیت کے بغیر اللہ کی اطاعت و بندگی کا حق بھی ادا نہیں ہو سکتا جو تمام حقوق کے مقابلہ میں زیادہ اہم اور مقدم ہے، علاوہ ازیں اللہ نے اہل علم اور اصحاب کتاب سے عہد لیا ہے کہ وہ اس کی کتاب کی باتوں کو لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کریں گے، حدیثوں میں بھی کتمان علم پر شدید وعیدیں بیان کی گئی ہیں، اس لئے میں نے کچھ واضح نکات تحریر کئے ہیں"[1]

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ الشفا بڑے نیک جذبہ اور حصول ثواب کی خاطر لکھی گئی ہے،

[1] ... ج ا ص ۳۰ تا ۵۸،

مصنف کتاب کے آخر میں رقمطراز ہیں :-

"اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کوشش کو قبول فرمائے، اگر اس میں ریا و تصنع کا کچھ بھی شائبہ ہو تو اس کو معاف کرے اور اپنے لطف سے ہم کو بخش دے، ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت بیان کرنے کے لیے اپنا خواب و خور حرام کر دیا تھا اور آپ کے فضائل و محاسن کا تتبع کرنے اور آپ کے خصائص و امتیازات کو ظاہر کرنے کیلئے اپنے جسم و جان کے آرام کا کوئی خیال نہ رکھا تھا، خداوندا تو ہم کو جہنم سے بچا اور ان لوگوں میں شامل کر جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر سے ہٹائے نہ جائیں گے۔ تو اس کتاب کو ہمارے اور ان لوگوں کے لیے جو اس کی تحریر کی تحریک کرتے رہے ہیں اس دن کے لیے وسیلہ و ذخیرہ بنا جس دن ہر نفس کے سامنے اس کا عمل خیر موجود ہوگا، اس کو اپنی خوشنودی اور اجر و ثواب کا ذریعہ بنا، اس کی بدولت ہم کو اپنے پیغمبر اور اسکی جماعت کے اس زمرۂ سابقین و اولین میں داخل فرما جن کو قیامت کے روز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت حاصل ہوگی، ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمکو اس کی جمع و تالیف کی توفیق دی اور ایسی دعا سے اس کی پناہ مانگتے ہیں جو مسموع نہ ہو، ایسے علم و عمل سے بھی پناہ مانگتے ہیں، جو مفید اور مقبول نہ ہو، اے اللہ تو ہمارے لیے کافی اور بہترین کارساز ہے، تیرا بے پایاں درود و سلام ہو۔ ہمارے آقا خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے تمام اصحاب پر۔" (ج ۲ ص ۲۰۱ تا ۲۲۳)

کتاب الشفا سیرت کی عام کتابوں سے مختلف انداز میں لکھی گئی ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت، آپ کی معجزانہ سیرت و شخصیت، بلند اوصاف و محامد اور پاکیزہ اخلاق و عادات کو پیش کر کے دکھایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام محاسن و کمالات کا

سرچشمہ اور ہر قسم کے نقائص و عیوب سے پاک تھے، اس لیے آپ ہی کی ذاتِ گرامی تمام انسانوں کے لیے قابلِ اتباع اور لائقِ تقلید ہے، اور آپؐ کے لوگوں پر گوناگوں حقوق عائد ہوتے ہیں، جو لوگ ان حقوق کی ادائیگی میں کمی اور کوتاہی کرتے ہیں وہ ہر طرح کی دنیوی اور اخروی سزا کے مستحق ہیں، ان مباحث کو قرآن مجید اور احادیث نبویؐ کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے، اور آیات و احادیث کی تشریح و وضاحت کے لیے سلف کے اقوال بھی نقل کئے گئے ہیں، یہاں کتاب کے مضامین کا اجمالی تعارف کرایا جاتا ہے تاکہ ناظرین خود اندازہ کر لیں کہ اس کی نوعیت سیرت کی عام کتابوں سے مختلف ہے۔

کتاب کے چار حصے ہیں، پہلے حصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعریف و توصیف کی تفصیل درج ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہے، اس حصہ میں چار ابواب ہیں اور ہر ہر باب میں کئی کئی فصلیں ہیں، پہلے باب میں آپ کی شان میں خدا کی ثنا و تعریف نقل کی گئی ہے اور اس کے نزدیک آپ کا درجہ و مرتبہ واضح کیا گیا ہے، دوسرے باب میں اس کا ذکر ہے کہ اللہ نے آپ کو تمام محاسن میں کامل بنایا تھا، اور آپ کی ذات میں دینی و دنیوی تمام فضائل و کمالات جمع کر دئے تھے، تیسرے باب میں وہ صحیح اور مشہور حدیثیں جمع کی گئی ہیں، جن میں آپؐ کی اعلیٰ قدر و منزلت اور دونوں جہان میں آپ کی مخصوص فضیلت و کرامت کا ذکر ہے، چوتھا باب معجزات پر مشتمل ہے، ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوناگوں خصوصیات و کمالات کا پتہ چلتا ہے،

دوسرے حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن حقوق کا ذکر ہے، جو مخلوق پر عائد ہوتے ہیں، اس کے اندر بھی چار باب ہیں، اور ہر باب میں متعدد فصلیں ہیں، پہلے باب میں آپؐ پر ایمان لانے کو فرض اور آپ کی اطاعت و اتباع کو واجب بتایا گیا ہے،

دوسرے باب میں آپؐ کی محبت وخیرخواہی کے لازم اور ضروری ہونے کا بیان ہے تیسرے باب میں آپ کی تعظیم وتوقیر کو ضروری قرار دیا گیا ہے، چوتھے باب میں آپ پر درود وسلام کا حکم اس کی فرضیت اور فضیلت کا ذکر ہے،

تیسرے حصہ میں ان امور کا ذکر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ناروا ونا مناسب یا روا اور مناسب ہیں، اس میں اُن تمام بشری اوصاف وعوارض کا ذکر بھی ہے جنکی نسبت آپ کی جانب صحیح ہے، اور جن کی نسبت غیر صحیح بلکہ ممتنع ومحال ہے، مصنف کے خیال میں یہ حصہ بڑا اہم اور معرکۃ الآرا ہے، اس کو انھوں نے دو ابواب میں تحریر کیا ہے، پہلے باب میں آپ کے دینی امتیازات عصمت وغیرہ پر بحث ہے، اور دوسرے میں ان دنیوی احوال اور بشری عوارض کا ذکر ہے جو آپ کو پیش آئے۔

چوتھے حصہ میں آپ پر سب وشتم کے احکام بیان ہوئے ہیں، یہ بھی دو ابواب پر مشتمل ہے، پہلے میں اس کا ذکر ہے کہ کون سی باتیں آپ کے سب وشتم میں داخل ہیں اور کن باتوں سے آپ کی تنقیص ہوتی ہے، دوسرے باب میں آپ سے عداوت رکھنے والے، آپ کو اذیت دینے والے اور آپ کی مذمت کرنے والے کا حکم اس کی سزا، اس کی توبہ، اس کی نماز جنازہ، اور اس کی وراثت وغیرہ کے مسائل کا ذکر ہے، اسی باب کے آخر میں خدا، ملائکہ آسمانی کتابوں عام نبیوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آل واولاد اور صحابۂ کرام کی شان میں گستاخی کرنے والوں کے احکام بھی بیان ہوئے ہیں،

کتاب کی قدر وقیمت اور مصنف کی محنت اور دقتِ نظر کا اندازہ کرنے کے لیے اس کے بعض مباحث ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

رسول اللہ کی کاملیت وجامعیت | انسان کے اندر جلال وکمال کے اوصاف دو طرح کے ہوتے ہیں

ایک کو تو ہم ضروری محض سے تعبیر کرتے ہیں، یہ دنیوی اعتبار سے ضروری اور ناگزیر ہوتے ہیں، اور ان کی انسانی جبلت اور دنیاوی ضرورت متقاضی ہوتی ہے، دوسری قسم دینی ہے یہ عمل وکسب سے حاصل ہوتی ہے اس کو کرنے والا محمود اور قابلِ ستائش سمجھا جاتا ہے، اور اللہ کے یہاں بھی مقرب ہوتا ہے،

پہلی قسم یعنی ضروری محض میں آدمی کے ارادہ واختیار اور کسب وعمل کا کوئی دخل نہیں ہوتا جیسے کوئی خلقۃً کامل اور پیدائشی طور پر صاحبِ کمال ہو، اس کی شکل وصورت حسین وجمیل ہو، وہ عقل وفہم میں فائق وبرتر ہو، اس کے حواس واعضا قوی اور توانا ہوں، اس کی حرکات میں اعتدال ہو اور اس کو نسبی شرافت اور اپنی قوم میں اعزاز حاصل ہو، اسی قسم کے اندر بعض ایسی چیزیں بھی شامل ہیں جن کی عام دنیوی ضرورتیں متقاضی ہوتی ہیں جیسے غذا، نیند، لباس، رہائش گاہ، شادی بیاہ، مال ودولت، جاہ ومنزلت، اگر ان آخری اوصاف وفضائل سے مقصود تقویٰ اور حصولِ آخرت ہو، اور یہ حدود ضرورت کے اندر اور قوانین شریعت کے مطابق ہوں تو ان کا تعلق بھی دینی اور اخروی قسم سے ہوجاتا ہے،

جو خصائل وعادات اُخروی اور دینی نوعیت کے ہیں اور عموماً کسب سے حاصل کیے جاتے ہیں، ان کے اندر تمام اخلاق فاضلہ اور آداب شرعیہ داخل ہیں جیسے تدین، خدا کی عبادت واطاعت، علم، حلم، صبر، شکر، عدل، زہد، تواضع، عفو، عفت، سخاوت، شجاعت، حیا، مروت، خاموشی، اطمینان، وقار، رحمت، حسنِ ادب ومعاشرت وغیرہ،

ان سب فضائل کا جامع صرف ایک لفظ حسن خلق ہے، جو بعض لوگوں کے اندر فطری اور طبعی طور پر موجود ہوتا ہے، اور بعض لوگوں کے اندر طبعاً نہیں ہوتا، بلکہ وہ ان کو کسب سے حاصل کرتے ہیں، تاہم ایسے لوگوں کی جبلت میں بھی اس کی اصل اور اس کا کچھ نہ کچھ حصہ

موجود ہوتا ہے۔

یہ اخلاق عالیہ بھی ایسی صورت میں دنیوی ہو جاتے ہیں، جب ان سے خدا کی رضا اور آخرت کا ثواب مقصود نہ ہو تاہم ان کے فضائل و محاسن ہونے پر عقل سلیم رکھنے والوں کا اتفاق ہے، گو ان کے نزدیک ان کے حسن و فضیلت کے سبب میں اختلاف ہے۔

اوپر جلال و کمال کے جن اوصاف کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے اگر ایک یا دو وصف سے بھی کوئی شخص کسی وقت اور زمانہ میں متصف ہوتا ہے، تو اس کی وجہ سے اس کو شریف اور معزز سمجھا جاتا ہے، چنانچہ حسب و نسب کی برتری یا حسن و جمال یا اعضا و جوارح کی قوت یا علم یا حلم یا شجاعت یا سخاوت سے اگر کوئی متصف ہوتا ہے تو اس کا درجہ و مرتبہ اتنا عظیم اور بلند ہو جاتا ہے کہ اس کی زندگی ہی میں اور مرنے کے بعد بھی اس کا نام اس وصف کے لئے ضرب المثل بن جاتا ہے[۱] اور لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت اور بزرگی کا سکہ برابر بیٹھا رہتا ہے، خواہ کتنا ہی زمانہ کیوں نہ گزر چکا ہو۔

ایسی صورت میں ذرا اس شخص کے فضل و کمال اور عظمت شان کا خیال کیجیے جس کے اندر یہ تمام اوصاف و کمالات بدرجہ کمال اس طرح جمع ہو گئے تھے کہ نہ ان کو شمار اور بیان کیا جا سکتا ہے، اور نہ بجز فضل الٰہی و تائید ایزدی کے انھیں محض کسب و تدبیر سے حاصل کیا جا سکتا ہے، یعنی نبوت و رسالت کی فضیلت، خدا کا آنحضرت صلعم کو اپنی دوستی اور محبت سے نوازنا، ان کا اپنے لیے انتخاب کر لینا (اصطفا)، رات میں ان کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لیجانا (اسرا)، اپنی عظیم الشان نشانیاں دکھانا (رؤیت[۲])، آپ کو اپنی قربت خاص میں کر دینا[۳]، وحی، شفاعت،

[۱] جیسے حاتم کا نام سخاوت کیلئے اور سحبان کا نام خطابت کیلئے آج تک ضرب المثل بنا ہوا ہے [۲] اس سے معراج کی طرف اشارہ ہے، بعض اہل علم کا خیال ہے کہ معراج میں آپ دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے تھے، اور بعض کہتے ہیں کہ رؤیت سے آپ کا حضرت جبرئیل کو دیکھنا مراد ہے، مگر قرآن مجید میں جہاں اس کا ذکر ہے وہاں بقد رای من آیات ربه الکبریٰ کے الفاظ آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے معراج میں خدا کی عجیب و غریب نشانیاں دیکھی تھیں (ض)

وسیلہ، فضیلت، درجہ رفیعہ اور مقام محمود عطا کرنا، براق و معراج سے مشرف فرمانا، کالے گورے (اسود و احمر) یعنی تمام لوگوں کی طرف مبعوث کرنا، آپ کا انبیاء علیہم السلام کی امامت کرنا[۴]، انبیاء اور قوموں کے درمیان شہادت دینا، آپ کا اولاد آدم کا سردار ہونا، لوائے حمد[۵] عطا کیا جانا، آپ کا بشیر و نذیر ہونا، عرش والے کے نزدیک آپ کا مکین، مطاع اور امین ہونا[۶]، دنیا والوں کا ہادی اور ان کے لیے رحمت ہونا، خدا کا آپ کو کوثر عطا کرنا، آپ کی بات کا بارگاہ الٰہی میں مسموع ہونا، آپ پر نعمت تمام کرنا[۷]، آپ کی اگلی اور پچھلی خطاؤں کو معاف کر دینا، آپ کا شرح صدر، وضع وزر، رفع ذکر[۸]، آپ کو نصرت عطا کرنا، آپ پر سکینہ اتارنا، اور آپ کی ملائکہ کے ذریعہ تائید کرنا[۹]، کتاب و حکمت عطا کرنا، سبع مثانی و قرآن عظیم سے سرفراز کرنا[۱۰]، امت کے تزکیہ پر مامور کرنا، لوگوں کو اللہ کی جانب بلانا، اللہ اور ملائکہ کا آپ پر درود بھیجنا، آپ کا لوگوں کے درمیان اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق فیصلہ کرنا، لوگوں سے اصر و اغلال اتارنا[۱۱]، اللہ کا آپ کے نام کی قسم کھانا، آپ کی دعا کا قبول کرنا، جمادات اور حیوانات کا آپ سے بات چیت کرنا[۱۲]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴) [۳] اس سے قرآن مجید کی سورۂ نجم کی ان آیتوں کی طرف اشارہ ہے جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ معراج میں آپ خدا کے قرب دونو سے سرفراز کیے گئے تھے، [۴] یعنی اسراء میں آپ نے تمام انبیاء سے ملاقات کی اور نماز پڑھائی [۵] ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز میرے ہاتھ میں لوائے حمد یعنی حمد کا پرچم ہوگا، یہ امتیاز اس لیے آپ کو بخشا جائے گا کہ لوگ آپ کو پہچان سکیں۔

[۶] یہ قرآن مجید کی سورۂ تکویر کی آیت کی طرف اشارہ ہے۔ [۷] اس میں سورۂ مائدہ کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ خدا کی سب سے بڑی نعمت یعنی دین آپ پر مکمل کر دیا گیا۔ [۸] سورۂ انشراح کی آیتوں کی طرف اشارہ ہے ان میں اللہ نے اپنے نبی کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ کیا ہم نے تیرے لیے سینہ کو کھول نہیں دیا، اور تجھ سے تیرے اس بوجھ کو ہٹا نہیں دیا جس نے تیری پیٹھ کو توڑ دیا تھا، اور تیرے لیے تیرا ذکر اونچا نہیں کر دیا۔ [۹] سورۂ انفال کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں غزوہ بدر میں سکینہ (ڈھارس) اتارنے اور ملائکہ کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد کرنے کا ذکر ہے [۱۰] سورۂ حجر میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اے پیغمبر ہم نے تم کو سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا کیا، سبع مثانی کی تعیین میں مفسرین کا بڑا اختلاف ہے یہاں تفصیل کا محل نہیں ہے۔ [۱۱] سورۂ اعراف میں آپ کی اس خصوصیت کا ذکر ہے کہ آپ کی بعثت نے یہود و نصاریٰ کو ان طوق و سلاسل سے آزاد کر دیا جن میں انکے مذہبی پیشواؤں نے انکو جکڑ رکھا تھا، اور اپنی طرف سے عائد کردہ ان بیجا سختیوں کو انھوں نے شرعی قیود کا درجہ دے رکھا تھا

خدا کی قدرت سے آپ کے ذریعہ مردوں کا جی جانا، بہروں کا سن لینا، آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی جاری ہونا، تھوڑے کھانے کا زیادہ ہوجانا، چاند کا دو ٹکڑے ہوجانا، سورج کا ڈوب کر پھر نکل آنا، اشیار کا اپنی اصل حالت سے تبدیل ہوجانا، رعب کے ذریعہ غلبہ، غیب سے واقفیت بادلوں کا آپ پر سایہ فگن ہونا، کنکریوں کا تسبیح پڑھنا، بیماریوں اور آلام کا رفع ہوجانا، آپ کا لوگوں کے شر سے محفوظ رہنا،

غرض تنہا آپ کی ذات میں جس قدر فضائل جمع ہوگئے تھے، اُن کا احاطہ اللہ تعالےٰ کے سوا اور کون کرسکتا ہے، اور یہاں جن کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے اکثر کا تعلق آپ کے دنیوی خصائص سے تھا، آخرت میں آپ کو جس کرامت، شرافت، سعادت اور حسنیٰ سے نوازا جائے گا، اُسکو کون سوچ سکتا ہے۔ (الشفاج ا ص ۲۰۳ تا ۳۹۹)

دنیوی ضرورت جن چیزوں کی مقتضی ہوتی ہے، ان کی تین قسمیں ہیں، پہلی قسم اُن چیزوں کی ہے، جن کی کمی اچھی اور بہتر ہوتی ہے، دوسری قسم میں وہ چیزیں آتی ہیں، جن کی زیادتی عمدہ ہے، اور تیسری قسم میں حالات مختلف ہوتے ہیں،

پہلی قسم کی مثال غذا اور نیند ہے، سب کا اتفاق ہے کہ غذا اور نیند کی قلت پسندیدہ اور کثرت مذموم ہے کیونکہ زیادہ کھانا پینا عدم آسودگی، حرص اور شہوت کی زیادتی کی علامت اور دنیوی و اخروی نقصان کا باعث ہے، اس سے گوناگوں بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، نشاط ختم ہوجاتا ہے، اور دماغ میں امتلا پیدا ہوتا ہے، اس کے برعکس کھانے پینے میں کمی قناعت کی دلیل ہے، اس کی وجہ سے نفس قابو میں رہتا ہے، شہوت کا قلع قمع ہوجاتا ہے، جسم صحت مند اور دماغ تر و تازہ رہتا ہے، اور ذہن کی حدت میں کمی نہیں آتی، اسی طرح نیند کی زیادتی سے پست ہمتی، سستی، ضعف، عجز اور کسل پیدا ہوتا ہے، ذہن بلید ہوجاتا ہے، اور عمر غیر نفع بخش

له تا ۱۵ ان سب میں آپ کے معجزات کیطرف اشارہ ہوا، انکی تشریح و تفصیل کے لیے سیرۃ النبیؐ جلد سوم ملاحظہ ہو۔

کام میں گذارنے کی عادت پڑجاتی ہے، نیز یہ غفلت، قساوت قلب اور موت کا پیش خیمہ ہوتی ہے، یہ سب ایسی مشہور باتیں ہیں جن کو ہر شخص جانتا ہے، اور عام طور پر ان کا مشاہدہ بھی ہوتا رہتا ہے، گذشتہ زمانہ کے حکماء سے مسلسل ان کی نقل ہوتی چلی آئی ہے، عربوں کی شاعری اور واقعات میں بھی ان کا ذکر ملتا ہے، احادیث و آثار میں بھی ان کی صراحت موجود ہے، اس لئے ان کے دلائل و شواہد بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے اور پینے کے معاملہ میں اقل پر کاربند تھے، آپ کی سیرت مبارکہ کے اس پہلو پر کوئی اختلاف نہیں ہے، آپ نے دوسروں کو بھی اسی کی تلقین فرمائی ہے، یہ بھی ملحوظ رہے کہ کھانے پینے کی کثرت نیند کی زیادتی کا باعث بھی ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت سفیان ثوریؒ سے منقول ہے کہ "رات میں جگنے کی قدرت کم کھانے سے حاصل ہوتی ہے"، اور بعض سلف کو روایت ہے کہ "زیادہ مت کھاؤ کیونکہ زیادہ کھانے سے پیاس زیادہ لگتی ہے، اور نیند بھی زیادہ آتی ہے"،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ اس کھانے کو زیادہ پسند کرتے تھے جس میں زیادہ لوگ شریک ہوتے تھے، اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں تناول فرمایا، آپ کا معمول تھا کہ ازواج مطہرات سے کھانے کی فرمائش نہ کرتے، اگر وہ کھلا دیتیں تو کھا لیتے اور جو کھانا بھی پیش کرتیں اس کو قبول فرما لیتے، اسی طرح جو مشروب پیش کرتیں اس کو پی لیتے۔

حضرت لقمانؑ کے مواعظ میں ہے کہ آدمی جب شکم سیر ہوتا ہے تو اس کی فکری قوت بیدار نہیں رہتی، اس سے حکمت سلب ہوجاتی ہے، اس کے اعضاء کی چستی و توانائی باقی نہیں رہتی اور وہ خدا کی عبادت کرنے میں سستی کرتا ہے، اسی طرح متعدد صحیح حدیثوں میں آپ کے کم سونے کا ذکر ہے، بلکہ آپ نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ:

ان عینی تنامان ولا ینام قلبی — میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں مگر میرا دل بیدار رہتا ہے،

آپ کا معمول تھا کہ داہنی کروٹ سوتے تھے، یہ بھی کم سونے کی دلیل ہے، کیونکہ داہنی کروٹ سونے پر آدمی جلد بیدار ہو جاتا ہے، اور اس کو زیادہ گہری نیند نہیں آتی،

دوسری قسم ان چیزوں کی ہے جن میں باتفاق زیادتی ممدوح اور قابل فخر ہے، اس کی مثال جاہ ہے، جو دانشمندوں کے نزدیک عموماً محمود ہے، صاحبِ جاہ کی عظمت لوگوں کے دلوں میں برابر رہتی ہے، اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ارشاد فرمایا:۔

وجیھا فی الدنیا والآخرۃ — وہ دنیا و آخرت میں صاحبِ وجاہت ہیں،

لیکن یہ آفات سے خالی نہیں، چنانچہ بعض لوگوں کے لیے آخروی نقطۂ نظر سے یہ مضر ہے، اسی لیے اس کی مذمت بھی کی گئی ہے، اور عدم جاہ و عدم شہرت کو پسند کیا گیا ہے، لیکن دراصل شریعت میں گھمنڈ اور علو فی الارض کو ناپسند کیا گیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے پہلے ہی، رعب و دبدبہ عظمت و حشمت، اور بلند درجہ و مرتبہ سے نوازا گیا تھا، نبوت کے بعد گو لوگ آپ کی تکذیب کرتے تھے، آپ کے ساتھیوں کو ایذا دیتے تھے، اور خود آپ کے بھی خفیہ طور پر درپے آزار رہتے تھے، لیکن آپ کے سامنے اس کی ان کو جرأت نہ ہوتی تھی، بلکہ وہ آپ کی عظمت شان کا خیال کرتے تھے، آپ کو جن لوگوں نے دیکھا نہیں تھا وہ آپ کو دیکھتے ہی مبہوت اور خائف ہو جاتے تھے، چنانچہ قیلہ بنت مخرمہ کے بارہ میں بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے جب آپ کو دیکھا تو خوف سے کانپنے لگیں، آپ نے فرمایا تم کو سکون و اطمینان سے رہنا چاہیے ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص[1] آپ کے سامنے کھڑا ہوا تو کانپنے لگا، آپ نے فرمایا ڈرتے کیوں ہو، میں کوئی جابر بادشاہ نہیں ہوں۔

---

[1] ان کا نام عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ خزرجی تھا، (شرح خفاجی)

یہ نبوت سے قبل کے واقعات تھے، نبوت و رسالت سے سرفراز کئے جانے کے بعد آپ کو جو غیر معمولی جاہ و مرتبہ حاصل ہوا اور اللہ نے آپ کو منتخب فرما کر جو کرامت و عزت بخشی اس سے بڑھکر کسی درجہ و مرتبہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا، پھر عالمِ آخرت میں بھی آپ اولادِ آدم کے سردار ہوں گے،

تیسری قسم میں وہ چیزیں داخل ہیں جن میں فخر و فضیلت اور پسندیدگی حالات کے اعتبار سے ہوتی ہے، جیسے مال کی کثرت، عام طور پر مالدار کو معزز اور با عظمت خیال کیا جاتا ہے کیونکہ مال کے ذریعہ آدمی کی ضرورتیں اور آرزوئیں پوری ہوتی ہیں، ورنہ فی نفسہ مال کوئی فضیلت اور خوبی کی چیز نہیں ہے، پس جب مالدار آدمی اپنی اور دوسروں کی ضرورتوں میں اپنا مال صرف کرے اور عزت، بڑائی، اور اُن کاموں میں اسے خرچ کرے جن سے اس کی نیک نامی اور شہرت ہو اور لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت کا سکہ قائم ہو تو اہل دنیا کے نزدیک ایسا مالدار شخص صاحب فضیلت ہوتا ہے، اور اگر وہ نیکی کے کاموں میں مال خرچ کرے اور اس سے اس کا مقصود رضائے الٰہی اور آخرت کا حصول ہو تو یہ سب کے نزدیک عظمت و فضیلت کا کام ہے لیکن اگر آدمی بخیل اور صرف مال جمع کرنے کا حریص ہو اور وہ اس کو ان جگہوں میں بھی نہ خرچ کرے جہاں خرچ کرنا ضروری ہے، تو باوجود مال والا ہونے کے ایسا شخص محتاج اور قابلِ مذمت ہے، اس کا مال بے نتیجہ ہے جو اس کو پستی کے غار میں گرا دینے کا سبب ہوگا،

اس سے ظاہر ہوا کہ مال فی نفسہ قابل ستائش، بہتر اور اچھی چیز نہیں ہے بلکہ اسکی خوبی اس وجہ سے ہے کہ وہ ضرورتوں کو پوری کرنے، نیک نامی اور اجر حاصل کرنے اور صحیح مصرف میں خرچ کرنے کا ذریعہ ہے، مال جمع کرنے والا اگر اس کو صحیح اور مناسب مصرف میں خرچ نہ کرے تو وہ غنی کہلانے کا مستحق نہیں کیونکہ اس کا مال بے فائدہ ہے، اور وہ واقعتاً فقیر ہے، اس لیے کہ اس کی کبھی اس سے کوئی غرض نہیں پوری ہوتی، اس کی حیثیت دوسرے کے مال کے خازن کی ہے،

جس کا خود اپنا مال نہیں ہوتا، بلکہ وہ صرف اس کی نگرانی کرتا ہے، اسی طرح اس شخص کے پاس مال ہونے کے باوجود وہ اس میں کوئی تصرف نہیں کرتا، اس کے برعکس خرچ کرنے والا مال دار اور غنی کہلانے کا مستحق ہے، کیونکہ وہ اس کے ذریعہ فوائد حاصل کرتا ہے، گو خود اس کے پاس کچھ بھی مال باقی نہیں رہ جاتا۔

اب مال کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات و معمولات کا مطالعہ کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین کے خزانے عطا کئے گئے، آپ کے لئے مالِ غنیمت حلال کیا گیا، جو آپ سے پہلے کسی نبی کے لئے حلال نہیں کیا گیا تھا، آپ کی زندگی میں حجاز و یمن کے شہر، پورا جزیرۂ عرب اس سے متصل ممالک شام و عراق فتح ہوئے، اور ان جگہوں سے غنیمت کا مال، جزیہ، صدقات، اور بادشاہوں کے تحائف آپ کے پاس آئے، مگر کبھی آپ نے ان میں سے کوئی چیز اپنے لیے مخصوص کی اور نہ ایک درہم بھی اپنے لیے باقی رکھا، بلکہ یا تو سب دوسروں میں تقسیم کرکے انھیں فائدہ پہنچایا یا مسلمانوں کی فوجی ضرورتوں میں خرچ کرکے ان کی جنگی قوت میں اضافہ کیا، ایک دفعہ آپ کے پاس دینار کا ڈھیر آگیا، آپ نے سب تقسیم کر دیا، صرف چھ دینار باقی رہ گئے تھے، ان کو ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے حوالہ کر دیا، لیکن رات کو اس وقت تک آپ کو نیند نہ آئی جب تک کہ انھیں تقسیم نہ کر دیا اور جب یہ سب تقسیم ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اب جا کر مجھے چین ملا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اخراجات، لباس و رہائش کے معاملہ میں صرف بقدرِ ضرورت پر اکتفا فرماتے تھے، ماسوا سے کوئی رغبت نہ تھی، جو میسر ہو جاتا اسی کو زیبِ تن فرما لیتے، آپ کا لباس موٹا جھوٹا ہوتا تھا، آپ کے پاس حریر و ریشم آتا مگر اس کو تقسیم کر دیتے یا ان لوگوں کے لئے محفوظ رکھتے جو اس موقع پر موجود نہ ہوتے تھے، لباس میں

فخر و مباہات بالکل پسند نہ کرتے، آپ کے نزدیک آرائش و زیبائش عظمت و برتری کی چیز نہیں۔ لباس میں فخر و مباہات عورتوں کا شیوہ ہے، مردوں کے لیے صاف ستھرا اور اوسط درجہ کا کپڑا پسندیدہ ہے، لباس میں نمود و نمائش شرعاً مذموم ہے، اسی طرح مکان کا حسن اور وسعت، ساز و سامان کی کثرت، خادموں اور سواریوں کی زیادتی بھی فخر و مباہات کی چیز نہیں، البتہ اگر کوئی زمین اور اس کی پیداوار کا مالک ہونے کے باوجود پاکدامنی اور زہد کی بنا پر اس سے بے تعلقی اور کنارہ کشی اختیار کرے تو اس کو فضل سمجھا جائیگا،

اب ان عادات و خصائل کو لیجئے جو اخلاق حمیدہ اور آدابِ شریفہ میں داخل ہیں اور یہ ضروری وطبعی نہیں ہیں۔

یہ عادات و خصائل اگر کسی کے اندر موجود ہوں تو اس کی فضیلت و برتری پر تمام عقل مندوں کا اتفاق ہے، بلکہ اگر ان میں سے کسی ایک ہی عادت سے کوئی شخص متصف ہو تو اس کو بھی افضل و برتر کہا جاتا ہے، شریعت مبارکہ نے بھی ان خصائل کی تعریف کی ہے، اور ان کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اور جو لوگ ان کو اختیار کرتے ہیں ان کے لئے دائمی سعادت کا وعدہ کیا ہے، بلکہ بعض کو اس نے نبوت کا جز بھی بتایا ہے، ان ہی فضائل کو حسن خلق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، جو نفس کے قویٰ اور اس کے اوصاف میں اعتدال کا نام ہے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ پورے اعتدال کے ساتھ بدرجۂ کمال موجود تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس حیثیت سے آپ کی تعریف کی ہے:۔

انک لعلی خلق عظیم (قلم)   اے پیغمبر بیشک تم خلق عظیم پر فائز ہو۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "آپ کا خلق قرآن مجید تھا، آپ کی پسند و رضا اور آپ کی ناپسندیدگی اور غضب اسی کے تابع تھا،" آپ نے خود بھی فرمایا ہے کہ

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق	میری بعثت حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے

ہوئی ہے،

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں خُلق کے اعتبار سے عمدہ واحسن تھے۔ محققین کا خیال ہے کہ مکارم اخلاق آپ کی اصل خلقت وفطرت میں داخل تھے، اور یہ آپ کے اندر طبعی طور پر پائے جاتے تھے، ان کے حصول میں کسب وریاضت کا کوئی دخل نہ تھا، بلکہ یہ موہبت الٰہی اور فیضان ربانی کا نتیجہ تھے، یہی حال تمام انبیاء علیہم السلام کا بھی تھا اگر کوئی ان کی سیرتوں کا مطالعہ کرے اور بچپن سے بعثت تک کے واقعات پر غور کرے تو اس پر یہ بات پوری طرح ظاہر ہو جائے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں اہل سیر نے بیشمار ایسے واقعات نقل کئے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ میں فطرۃً سلامتی تھی، اور آپ کبھی سوءِ خلق اور برائی میں ملوث نہیں ہوئے تھے، خود آپؐ نے بھی اپنے متعلق بیان کیا ہے کہ مجھے بتوں سے نفرت تھی اور میں نے زمانۂ جاہلیت میں بھی ان کاموں کا کبھی قصد نہیں کیا جن کو لوگ کیا کرتے تھے، بجز دو بار کے لیکن اللہ نے مجھے دونوں بار بچا لیا اور پھر میں نے ان کا اعادہ نہیں کیا (مسند بزار) نبوت سے سرفراز کئے جانے کے بعد انبیاء علیہم السلام کا دل انوار الٰہی سے جگمگا اٹھتا ہے، اور وہ بغیر کسی ریاضت ومہارست کے اخلاق عالیہ کے مرتبۂ کمال پر فائز ہو جاتے ہیں، انبیاءؑ کے علاوہ دوسرے لوگوں میں بھی بعض اچھے اخلاق فطرۃً موجود ہوتے ہیں اس کی وجہ سے تمام فضائل کو حاصل کرنا اُن کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بعض بچوں میں آغاز خلقت ہی سے اس کا مشاہدہ ہونے لگتا ہے کہ ان کا ڈھنگ اچھا یا ذہن عمدہ ہے، یا سچائی یا سخاوت کا جوہر اُن میں موجود ہے، جب کہ بعض بچے اس کے بالکل برعکس ہوتے ہیں، مگر کسب سے ان کا نقص رفع ہو جاتا ہے، اور ریاضت

ومجاہدہ سے وہ معدوم کو حاصل کر لیتے ہیں۔ اور ان کی کجی اعتدال میں تبدیل ہو جاتی ہے،

ان دونوں حالتوں کے اختلاف کی وجہ سے اخلاق حسنہ میں لوگوں کے درمیان تفاوت ہوتا ہے، اور ہر شخص کے لیے وہ صورت آسان کی جاتی ہے، جس پر اس کی پیدائش ہوتی ہے، اسی تفاوت کی وجہ سے سلف کا خُلق کے جبلی یا کسبی ہونے میں اختلاف ہے، ابن جریرؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ اور حسن بصریؒ سے بیان کیا ہے، کہ بندہ کے اندر خلق حسن جبلی اور طبعی ہوتا ہے، خود انکی بھی یہی رائے ہے، مگر ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:-

کل الخلال یطبع علیھا المومن	خیانت اور جھوٹ کے سوا مومن ہر
الا الخیانۃ والکذب[1]	خصلت پر پیدا ہو سکتا ہے،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جرأت اور بزدلی دونوں خصلتیں ہیں اللہ ان کو جس کے اندر چاہتا ہے رکھتا ہے[2]

اخلاق کی ان جزئیات کا اصلی اور مرکزی دائرہ عقل ہے، یہ علم ومعرفت کا سرچشمہ ہے، اور بصیرت، اصابت رائے، جودتِ ذہن، سرعتِ انتقال، حسن ظن، عاقبت بینی، مصالحِ نفس، مجاہدہ شہوت، حسن سیاست، خوبیٔ تدبیر، فضائل کا اختیار، اور رذائل سے اجتناب اس کے برگ وبار ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عقل میں جو اونچا درجہ ومرتبہ تھا وہاں تک کسی کی رسائی ممکن نہیں، آپ کے وفور عقل، قوت حواس اور ذکاوت وذہانت میں کسی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں، آپ تمام لوگوں سے زیادہ عقلمند اور ذہین تھے، جو شخص

---

[1] اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت ابو امامہؓ سے روایت کیا ہے، اور ابن ابی الدنیا نے صمت میں حضرت سعدؓ سے مرفوعاً وموقوفاً دونوں طرح روایت کیا ہے، [2] الشفاج ا ص ۱۴۱ ۵ تا ۶۱۳

مخلوقات کے ظاہری و باطنی معاملات میں آپ کی تدبیر و سیاست پر غور کرے گا، اور آپ کے حالات، عادات اور انوکھی سیرت کا مطالعہ کرے گا وہ آپ کے وفور عقل و فہم کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا، ایسی واضح حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے کسی بحث و تقریر کی ضرورت نہیں[له]

کتاب الشفا کا لب لباب تیسرا حصہ ہے، اس میں اُن امور کا ذکر ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان یا خلاف شان ہیں، اس میں ان بشری احوال و اوصاف کی وضاحت بھی کی گئی ہے، جن کی نسبت آپ کی جانب صحیح اور درست ہو سکتی ہے اور جن کی نسبت آپ کے لیے غلط اور محال ہے، اس حصہ پر خود مصنف کو بھی ناز تھا، اسلئے اس کی ایک اہم بحث ملاحظہ ہو اس سے کتاب کی اہمیت اور خصوصیت مزید ظاہر ہو گی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وما محمد الا رسول قد خلت	اور محمد تو رسول ہیں، ان سے پہلے بھی
من قبلہ الرسل افان مات	رسول گذرے ہیں، کیا اگر وہ مر جائیں
او قتل الخ (آل عمران)	یا قتل کر دئے جائیں۔

حضرت مسیح کے متعلق فرمایا :

ما المسیح بن مریم الا رسول	مسیح بن مریم تو صرف رسول ہیں جن
قد خلت من قبلہ الرسل وامہ	سے پہلے بھی رسول گذرے ہیں اُن کی
صدیقۃ کانا یاکلان الطعام (مائدہ)	ماں صدیقہ تھیں، دونوں کھانا کھاتے تھے

دوسری جگہ ہے :

وما ارسلنا قبلک من المرسلین	ہم نے تم سے پہلے جن پیغمبروں کو بھیجا وہ

له المنہاج ص ۲ تا ۴ و جلد اول ص ۵۷۴ تا ۵۹۴

الا انہم لیاکلون الطعام	کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں
ویمشون فی الاسواق (الفرقان)	چلتے تھے۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلایا گیا کہ

قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ	تم کہہ دو کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک
الیّ۔ (کہف)	آدمی ہوں جس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

ان آیتوں سے ثابت ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام بشر تھے، اور ان کو انسانوں کے پاس خدا کا پیغام پہنچانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اگر وہ بشر نہ ہوتے تو لوگوں کے لئے ان کا پیغام قبول کرنا اور پیغمبروں کے لیے ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کرنا ممکن نہ ہوتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا (انعام)	اور اگر ہم فرشتہ کو پیغمبر بناتے تو اس کو بھی
	آدمی کر دیتے۔

یعنی فرشتہ بھی رسول بنا کر بھیجا جاتا تو آدمی ہی کی شکل و صورت میں ہوتا تاکہ اسکے لیے انسانوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، رہنا سہنا، بات چیت کرنا، ان کو دیکھنا اور ان کی بات سننا اور سمجھنا ممکن ہوتا۔ ارشاد ہے،

لو کان فی الارض ملائکۃ	اگر زمین میں چلنے پھرنے والے فرشتے
یمشون مطمئنین لنزلنا	ہوتے تو ہم آسمان سے فرشتے ہی کو
علیہم من السماء ملکا رسولا (اسراء)	رسول بنا کر اتارتے۔

اللہ کی سنت اور طریقہ میں ملائکہ کو ان ہی کی جنس کے لیے رسول بنانے یا ان لوگوں کے پاس بھیجنے کی گنجائش تھی، جن کو خدا نے نوع بشر کے اندر سے اپنی نبوت و رسالت کیلئے

مخصوص اور منتخب کر لیا تھا۔

دراصل انبیاء او رسل خدا اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں، ان کا کام لوگوں تک خدا کے احکام پہچانا، اور ان کو ان باتوں سے آگاہ کرنا ہے، جن سے وہ ناواقف ہوتے ہیں، اس لئے انبیاء کے ظاہری حالات واوصاف اور ان کے جسم عام آدمیوں کی طرح بنائے گئے ہیں اور ان کو وہ تمام عوارض وحالات پیش آتے ہیں جو عام لوگوں کو پیش آتے ہیں، مگر ان کا باطن اور ان کی روح عام بشری اوصاف سے بلند اور ممتاز ہوتی ہے، ان کا تعلق ملاء اعلیٰ سے ہوتا ہے، اور ان کے اوصاف فرشتوں کے اوصاف سے مشابہ ہوتے ہیں، اس لئے ان کے حالات تغیرات وآفات، بشری ضعف وعجز اور نقائص سے محفوظ ہوتے ہیں، کیونکہ اگر ان کے باطنی امور بھی ظاہری امور جیسے ہوتے تو وہ ملائکہ سے اخذ واکتساب نہ کر سکتے اور ان کے لئے ان سے ملنا اور ان کو دیکھنا اسی طرح ناممکن ہوتا. جس طرح کہ عام انسانوں کے لیے ناممکن ہے اور اگر ان کے ظاہری حالات عام انسانوں کی طرح ہونے کے بجائے فرشتوں کے اوصاف وخصوصیات کی طرح ہوتے تو جن لوگوں کی طرف ان کی بعثت ہوئی تھی ان کیلئے ان پیغمبروں سے ملنا جلنا، ان کی باتیں سننا اور ان کو دیکھنا ممکن نہ ہوتا۔ (باقی)

ہندوستان عربوں کی نظر میں

دارالمصنفین کے سلسلہ تاریخ ہند کی ایک اہم کتاب ہے، جس میں ہندوستان کی قدیم تاریخ سے متعلق عرب مصنفین خصوصاً عرب جغرافیہ نویسوں عرب سیاحوں اور عرب مورخین کی کتابوں میں جو بیش قیمت مواد پھیلا ہوا ہے، اسکو نہایت قرینہ سے دو جلدوں میں اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ حصہ اول۔ قیمت ۔۔۔ ۱۶ حصہ دوم۔ قیمت ۔۔۔

حیات حضرت خواجہ محمد باقی باللہ پر کچھ تازہ مواد

از

ڈاکٹر محمد سلیم اختر دی آسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کینبرا (آسٹریلیا)

برصغیر ہند وپاکستان کی روحانی فضا کو قرن یازدہم ہجری کے ربع اول میں جن شیفتگان راہ حق وحقیقت نے اپنے مقدس ومطہر انفاس سے عطر آگیں کیا اُن میں خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ کے اسم نامی اور اسم سامی کو ایک منفرد اور ممتاز مقام حاصل ہے، اگرچہ نقشبندی سلسلہ کے کئی اور بزرگ بھی آپ سے پہلے اور خود آپ کے زمانہ میں ماوراء النہر سے ہندوستان تشریف لائے، لیکن جو تقویت اس سلسلہ کو ہندوستان میں آپ کی شخصیت سے پہونچی اور جس طرح یہ نہال نرم ونازک آپ کے انتہائی مختصر قیام ہند کے زمانے میں ایک تنومند اور بار آور درخت کی صورت میں ابھرا وہ بذات خود آپ کی روحانی عظمت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے، آپ ۵ ذی الحجہ ۹۷۱ھ کو بمقام کابل پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد قاضی عبدالسلام خلجی سمرقندی قریشی کا شمار اپنے زمانے کے ارباب فضل وصفا میں ہوتا تھا، انھوں نے اپنے فرزند ارجمند کی تعلیم وتربیت کی طرف شروع ہی سے خصوصی توجہ دی، بزرگی وعظمت کی نشانیاں ابتداء ہی سے آپ کی پیشانی سے آشکارا تھیں، ایک گونہ سنجیدگی اور تلاش حق کا جذبہ فطرۃً طبیعت کا حصہ تھا، سارا دن سر جھکائے گوشۂ عزلت میں بیٹھے رہتے، علوم رسمی کی تحصیل کے لئے آپ نے اپنے زمانہ کے مشہور عالم مولانا صادق حلوائی کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔[1]

مولانا صادق حلوائی شمس الائمہ حلوائی کے خانوادے سے تعلق رکھتے تھے، سمرقند میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم مولانا احمد جندی سے حاصل کی، استاد نے آنکھیں بند کیں تو بیت اللہ کی زیارت کے ارادے سے

---

[1] زبدۃ المقامات، تالیف محمد ہاشم کشمی، کانپور، ۱۸۹۰ء، ص ۶ - ۵.

گھر سے نکلے اور ہندوستان کی راہ لی، یہ ہندوستان میں بیرم خاں کے اقتدار کا زمانہ تھا، لاہور میں طاہر محمد خان شیروانی کے تعمیر کردہ مدرسہ مہدی خواجہ کی دھوم دور دور تک پھیلی ہوئی تھی، مولانا نے کچھ عرصہ یہاں تدریس کے فرائض انجام دیئے، جب ۹۶۹ھ میں بیرم محمد خان کا انتقال ہوا تو عبداللہ خان اوزبک کی دعوت پر واپس ماوراء النہر تشریف لے گئے، جب عبداللہ خان اوزبک کا عہد ختم ہوا تو مولانا نے دوبارہ احرام باندھا اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، قیام حجاز کے دوران آپ نے کچھ مدت تک وہاں بھی عقلی و نقلی علوم کی تدریس جاری رکھی، ۹۷۵ھ میں آگرہ لوٹے تو نواب میرزا عزیز کوکہ نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، اور آپ کے احترام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، ۹۷۸ھ میں آپ ہندوستان سے وطن مالوف کے لئے روانہ ہوئے تو کابل میں محمد حکیم مرزا نے آپ کو روک لیا، اور وہاں متداولات کی تدریس کی فرمائش کی، حکیم مرزا اس حد تک آپ کا گرویدہ ہوا کہ بالآخر اس نے اپنی قلمرو میں سیاہ و سفید کا مالک آپ ہی کو بنا دیا، امین احمد رازی کا بیان ہے:

"... بتدریج نسبتش بجائے انجامید کہ زمام مہمات ملکی و مالی را بکف کفایت او نہاد"۔[2]

---

[1] نفائس المآثر از میر علاء الدولہ کامی قزوینی، بیت، ص، [2] ہفت اقلیم از امین احمد رازی، باہتمام جواد فاضل، تہران، جلد دوم، ص ۳۸۴ - ۳۸۳، مزید اطلاع کے لئے ملاحظہ ہو، منتخب التواریخ ملا عبد القادر بدایونی، باہتمام احمد علی و کبیر الدین احمد و ناسو لیس، کلکتہ ۱۸۶۴-۶۹ء، ص ۲۵۶ - ۲۵۵۔ طبقات اکبری از میرزا نظام الدین احمد، باہتمام ب ڈے کلکتہ ۱۹۱۳-۳۱ء ج دوم، ص ۴۵۸، آئین اکبری ابوالفضل علامی، انگریزی ترجمہ از بلاخمان جلد اول، دہلی ۱۹۶۵ء، ص ۶۱۰، صبح گلشن از سید علی حسن خاں، بھوپال ۱۲۹۵ھ، ص ۴۳ - ۴۴، شام غریباں، تالیف لچھمی نرائن شفیق، مرتبہ محمد اکبر الدین صدیقی، کراچی ۱۹۷۷ء، ص ۴۹ - ۱۴۸، مجمع الشعراء جہانگیر شاہی اثر ملا قاطعی ہروی، بتصحیح و تعلیق و مقدمہ راقم الحروف (از انتشارات انسٹی ٹیوٹ آف سنٹرل اینڈ ویسٹ ایشین اسٹڈیز، کراچی یونیورسٹی، کراچی) زیر طبع۔

اس طرح عزت و وقار کے ساتھ کابل میں چند برس بسر کرنے کے بعد جب مولانا عازم سمرقند ہوئے تو خواجہ محمد باقی بھی اپنی کمسنی کے باوجود آپ کے ساتھ ہو لئے، مولانا صادق حلوائی کی صحبت، تربیت اور توجہ نے جو اپنے دیگر فضائل و کمالات کے علاوہ اپنی جودت طبع، پاکیزہ تقریر اور ملاحت گفتار کے لئے بھی ضرب المثل تھے، خواجہ محمد باقی کو ایسا صیقل کیا کہ آپ اپنے تمام ہم درسوں میں منفرد اور ممتاز نظر آنے لگے، علوم رسمی کی تحصیل سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ طبیعت درویشی و خدا شناسی کی طرف مائل ہو گئی، بلاد ماوراء النہر کے بہت سے اہل اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کسب فیض کیا، اس سلسلہ میں آپ نے سب سے پہلے خواجگی دہبیدی علیہ الرحمہ کے خلیفہ مجاز مولانا لطف اللہ کے جانشین خواجہ عبید کی خدمت میں حاضر ہو کر گناہوں سے توبہ کی، لیکن آپ توبہ پہ زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکے، دوسری دفعہ سمرقند میں خواجہ احمد یسوی کے خاندان کے ایک نامور بزرگ بندگی افتخار شیخ کے دست فیض مآثر پر توبہ کی، ابتداء میں تو شیخ افتخار راضی ہی نہ ہوتے تھے، اور فرماتے کہ تم ابھی نوجوان ہو، لیکن جب آپ کے اصرار اور مصمم ارادے کو دیکھا تو چار و ناچار فاتحہ پڑھ کر دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ انھیں استقامت بخشے، اسے اتفاق کہیئے یا بدقسمتی کہ اب کی دفعہ بھی کامیابی نہ ہوئی، آپ کا اپنا قول ہے:

"موافق تفرس آں بزرگوار آں عزیمت برہم خورد و خرابی عظیم رو داد"۔[1]

تیسری مرتبہ توبہ کی غرض سے آپ حضرت امیر عبداللہ بلخی کی خدمت میں حاضر ہوئے گوہر مقصود ہاتھ آنے ہی والا تھا کہ پائے ثبات میں پھر لغزش آگئی، بالآخر خواب میں خواجہ بہاء الدین نقشبند کی زیارت ہوئی اور آپ نے ان کی خدمت میں چوتھی دفعہ توبہ کی، اس واقعہ کے بعد تلاشِ حق اور تجسس حقیقت کی کسک اور بھی شدید ہو گئی اور پیر کامل اور مرادِ برحق کی تلاش میں آپ ہندوستان آ نکلے[2]، آپ کے عزیز و اقارب جو یہاں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، ان کی خواہش یہ تھی کہ آپ بھی ملازمین شاہی

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۱۰ [2] کلیات باقی باللہ ص ۲۰ [3] زبدۃ المقامات ص ۷ (بقیہ ۵۰ صفحہ پر)

میں شامل ہو کر دنیوی مال و منال سے متمتع ہوں، لیکن عشق عرفان الوہیت نے آپ کو اس طرف راغب نہ ہونے دیا۔

ع خلقے بجاہ تکیہ زدد ما زدیم پا

قسمت کی خوبی دیکھئے کہ اسی اثناء میں آپ ایک پری رو کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو گئے، ابھی اس قیامت نے دم نہ لیا تھا کہ ہجر کی آفت بھی آن پہونچی، دوری کے غم اور مہجوری کے درد نے طبیعت میں ایک عجیب ہیجان پیدا کر دیا، آپ نے سکون کے لئے ارباب محبت و معرفت کے آثار میں پناہ لی، آگ لینے گئے تھے پیغمبری مل گئی، فرماتے ہیں:

"بر سر مطالعہ کتابے از کتب اکابر بودم کہ بر ما تجلی نمودند و مارا از ما بر بودند۔"[1]

اس کے ساتھ ہی سالکان راہ حق اور مجذوبان تجلی خداوندی کی مصاحبت و ہمکلامی کا عشق پھر عود کر آیا، اور آپ جذب و کیف و مستی میں شبانہ روز ویرانوں میں گشت کرنے لگے، بقول جامی:

آدمن العشق د آیاتہ　　احرق قلبی بجر اراتہ
انظر العین الی غیرکم　　اقسم باللہ و آیاتہ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۹) اس معاصر شہادت کے برعکس ایس بزمی انصاری (اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ باہتمام دانش گاہ پنجاب۔ لاہور ۱۹۶۸ء جلد سوم میں ۹۸۲) بھی ملاحظہ ہو "بعض ایسے لوگوں کی دعوت پر جو ہندوستان میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، انھوں [خواجہ محمد باقی] نے اس ملک [ہندوستان] کا سفر اختیار کیا، لیکن ارادے کے خلاف لشکر شاہی میں شامل ہونے کے بجائے اصحاب باطن اور صوفیہ کی جستجو میں لگ گئے۔" نیز ملاحظہ ہو آپ ہی کا تحریر کردہ شذرہ در باب خواجہ محمد باقی باللہ در انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، اشاعت جدید، لندن، مرلائیڈن، ۱۹۶۰ء، جلد اول ص ۹۵۷۔

[1] زبدۃ المقامات ص ۷۔

زبدۃ المقامات سے پتہ چلتا ہے کہ راہ طریقت پر چلنے کے اشتیاق اور اہل اللہ کی تلاش میں آپ نے جو صعوبتیں برداشت کیں ان کی نظیر بہت کم ملتی ہے، برسات کے موسم میں جب پانی اور کیچڑ کے باعث قدم اٹھانا بھی دشوار ہوتا تو آپ انتہائی نحیف و نزار ہونے کے باوجود لاہور کے کوچوں اور قریوں، ویرانوں اور قبرستانوں میں سرگرداں رہ کر صاحب دلوں کی تلاش کرتے، آپ کی یہ تلاش مسلسل رنگ لائی اور آپ ایک مجذوب کی کھوج لگانے میں کامیاب ہو گئے، لیکن جب بھی آپ اس کی طرف رجوع کرتے وہ سب و شتم پر اتر آتا اور بڑی بے دردی اور سنگدلی سے آپ کو دھتکار دیتا، آپ نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، بڑی ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے ساتھ اس کی خدمت میں حاضری دیتے رہے، بالآخر اس درویش خدامست کا دل نرم ہوا، آپ کو نزدیک بلایا، پاس بٹھایا اور توجہ سے نوازا، اور آپ کے حق میں حصول مقصد کی دعا کی، خواجہ محمد ہاشم کشمی لکھتے ہیں:

"از نظر و دعائے او ایشاں را فواید نصیب روزگار آمد۔"[1]

آپ فرمایا کرتے تھے:

"اگرچہ ما ریاضات شاقہ چنانکہ بعضے اہل اللہ کشیدہ نہ کشیدہ ایم لیکن انتظارہا و تلقہائے عظیم دیدہ ایم کہ ریاضتہا و سختیہائے بزرگ را متضمن بود۔"[2]

آپ کی والدہ ماجدہ جو بعض روایات کے مطابق خاندان سادات سے تھیں، جب آپ کی بے چینی و بے قراری اور ضعف و ناتوانی کو مشاہدہ کرتیں تو بڑی افسردہ خاطر ہوتیں اور گڑگڑا کر دست بدعا ہوتیں کہ اے بار الہٰا! میرے فرزند نے تیری تلاش میں دنیا کی ہر شے سے منہ موڑ لیا ہے، اور جوانی کی لذتوں سے منحرف ہو گیا ہے، تو اس کی مراد کو پورا کر دے، ورنہ مجھے زندہ نہ رکھ کہ مجھ میں اس کی ناکامی بے آرامی اور اضطراب کو دیکھنے کی ہمت نہیں، حضرت خواجہ کے بقول:

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۸ [2] ایضاً

"ازاں دعا و التماس ایشاں مرا کشایشہا روزی گردید"[1]

لاہور سے آپ کشمیرِ مینو نظیر کی طرف راغب ہوئے، جہاں بابا والی نامی ایک درویش کی خدمت میں آپ کو حاضر ہونے کا موقع ملا، بابا والی خوارزم کے رہنے والے تھے، ۹۹۹ھ میں کشمیر آ کر امیر کبیر سید علی ہمدانی کی خانقاہ میں مقیم ہوئے، سلسلۂ نقشبندیہ کے پیر مجاز تھے[2]، حضرت خواجہ نے آپ کی خدمت میں رہ کر اس سلسلہ کی نسبت پختہ کی، کچھ ہی عرصہ کے بعد جب بابا والی کا وصال ہوا تو حضرات خواجگان کے اشارے آپ نے ماوراء النہر جا کر مولانا خواجگی امکنگی سے بیعت کی اور طریقۂ 'خواجگان' اخذ کیا۔

مولانا خواجگی اپنے والد ماجد مولانا درویش محمد امکنگی سے اور مولانا درویش محمد امکنگی اپنے ماموں مولانا محمد زاہد وخشواری سے بیعت تھے جو خود خواجہ احرار کے خلفاء میں سے تھے، اس طرح خواجگی امکنگی کا سلسلۂ نسب دو واسطوں سے خواجہ احرار تک جا پہونچتا ہے، انھوں نے سہ شبانہ روز 'لیلاً و نہاراً' حضرت خواجہ کے ساتھ خلوت میں رہ کر تربیت روحانی کے جملہ مراحل طے کرا دیئے، اور واپس ہندوستان جانے کا حکم تھا، ضمناً یہ نوید بھی دی:

"ایں سلسلۂ عالیہ را آنجا از شما رونقے تمام پدید آید و مستفیدانِ عالی مقدار از آنجا از یُمنِ تربیت شما بروئے کار آیند"[3]

ہندوستان پہونچ کر آپ تقریباً ایک برس تک لاہور میں مقیم رہے جہاں بہت سے علماء و فضلاء آپ کے فیضان سے مستفید ہوئے، لاہور سے آپ دہلی تشریف لائے اور قلعۂ فیروزی کے مقام پر جاگزیں ہوئے اور پھر آخری دم تک یہیں رہے۔

آپ کی طبیعت میں انتہا درجہ کی فروتنی پائی جاتی تھی، انکسار کا یہ عالم تھا کہ دعا مانگتے تو کہتے کہ

[1] زبدۃ المقامات ص ۸ [2] ملاحظہ ہو تاریخ کشمیر اعظمی از خواجہ محمد اعظم شاہ، لاہور، ۱۳۰۲ھ، ص ۱۱۰،
[3] زبدۃ المقامات ص ۱۳۔

اے بار الٰہا! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین کی موت دے اور مسکینوں کے زمرے میں مجھے محشور کرنا، خلق خدا کے ساتھ ہمدردی کی یہ کیفیت تھی کہ ایک دفعہ لاہور میں قحط پڑا تو کئی روز تک کھانا نہ کھایا، فرماتے: یہ کہاں کا انصاف ہے کہ لوگ بھوکوں مریں اور ہم کھانا کھائیں[1]؟ آپ اپنی مجلس میں غیبت اور چغلی کو ہرگز پسند نہ کرتے تھے، جونہی محسوس کرتے کہ کسی شخص کے خلاف کچھ کہا جانے لگا ہے تو اس کی تعریف کرنے لگتے، چنانچہ حاضرین میں سے کسی کو اس کے خلاف بولنے کی جرأت نہ ہوتی، دنیوی امور کے بارے میں بھی بات چیت کی اجازت نہ تھی، لقمۂ حلال کی طرف خصوصی توجہ فرماتے اور اس سلسلہ میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے[2]، اگر کسی شخص سے کوئی غیر شرعی امر سرزد ہو جاتا تو بتصریح کچھ نہ کہتے، نہ شدت سے کام لیتے بلکہ اشارے کنایے سے سمجھا دیتے[3]، سترِ احوال کے سختی سے پابند تھے، بیعت کرنے میں بڑے تامل سے کام لیتے، سادات و علمائے کرام کی تعظیم مبالغہ کی حد تک کرتے اور جزئی و کلی تمام امور میں ان کی رائے کا لحاظ رکھتے[4]، ملاحت سخن اور لطافت کلام کے لئے آپ مشہور تھے اور مزاح و طیبت کو پسند فرماتے، ان ظاہری محاسن کے ساتھ ساتھ آپ کے باطنی کمالات کا یہ عالم تھا کہ جہاں کہیں بھی جوہر استعداد ہوتا، بلا اختیار آپ کی خانقاہ کی طرف کھنچا چلا آتا، آپ کے روحانی تصرف کا یہ عالم تھا کہ افراد پر پہلی ہی ملاقات میں بے خودی اور وارفتگی کی کیفیت طاری کر دیتے، اور محمد صادق ہمدانی[5] کے بقول:

[1] زبدۃ المقامات ص ۲۰ [2] ایضاً ص ۲۵ [3] ایضاً ص ۲۲ [4] ایضاً ایضاً ص ۱۵ [5] محمد صادق ہمدانی کے بارے میں مزید اطلاع کے لئے دیکھئے میرے مقالات Maulana Muhammad Sadiq Kashmiri and Maulana Hasan Kashmiri An Introduction to Two Contemporaries of Shaykh Ahmad Sarhindi Journal of the Pakistan Historical Society, Vol XXV part III

"نعیت وفنا و مستی کہ بعضے ارباب سلوک را بعد از مجاہدۂ بسیار میسر می شود از برکت نظر کیمیا اثر در اندک زمانے حاصل می شد[1]"

قرائن بتاتے ہیں کہ آپ کو اپنی حیاتِ ظاہری کی کوتاہی اور اپنے مشن کی عظمت و اہمیت کا احساس شیخ امکنگی کی جانب سے ہندوستان کو روانگی کے ارشاد کے ساتھ ہی ہوگیا تھا۔ آپ نے ہندوستان میں اپنے ارادت مندوں کے نہال فکر کی سرسبزی، ان کی کشت خیال کی سیرابی اور ان کے بواطن کی تنویر کے لیے جس تندہی اور مستعدی سے کام کیا، اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ کی خانقاہ کی بے مثال ہماہمی اور آپ کے غیر معمولی باطنی فیوض کے بارے میں کم از کم دو انتہائی معتبر اور ثقہ شہادتیں محفوظ ہیں جن کی باہمی مماثلت خود ان کی صداقت کی منہ بولتی دلیل ہے۔ پہلی شہادت آپ کے معتقد رفیق اور مداح حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ہے، جو خانخاناں میرزا عبدالرحیم خان کے نام اپنے ایک مکتوب میں یوں رقمطراز ہیں:

"... دریں زمان کہ مایۂ حادی عشر است نوری جدید [خواجہ باقی باللہ] از مشرق ولایت و ہدایت می تابد، بیشک دریں جا سرے از سرِ الٰہی مضمر است کہ توقف و انکار را در آنجا

(بقیہ صفحہ ۵۳) P.P. 157-218; The Contemporaries of Maulana Sadiq Kashmiri Journal of the Pakistan Historical Society, Vol XXVI Part III P.P. 156 - 197

[2] کلمات الصادقین بہ تصحیح و تعلیق و مقدمہ راقم الحروف (آمادۂ چاپ) اس کتاب کے بارے میں مزید معلومات کیلئے ملاحظہ ہو میرا مقالہ بعنوان The Kalimat al-Sadiqin: A Seventh Century Rare Sufi Hagiography

[3] دہلی نذر حمید احمد خاں باہتمام احمد ندیم قاسمی (از انتشارات مجلس ترقی ادب لاہور) ۱۹۶۹ء، ص ۴۸۹ - ۴۵۹۔

مجال تنگ است و دلائل حقانیت و ظہور نورانیت لائح [و] بایح است وجمعے از طالبان کہ در ظل تربیت و حوزۂ تصرف و عنایت این مظہر حق [خواجہ باقی باللہ] مشغول اند کشفِ حقیقت حال و استغراق و استتار ایشان در ذکر الٰہی و ظہور انوار و اسرار ننگ است از حیطۂ تعبیر و تقریر بیرون و نسبت امروز مثل این حلقہ و اجتماع اہل ذکر در زیر طاس فلک نباشد و اگر باشد کمتر باشد....[1]"

دوسری شہادت آپ کے منظور نظر مرید اور محبوب خلیفہ حضرت شیخ احمد سرہندی معروف بہ امام ربانی مجدد الف ثانی کی ہے۔ آپ اپنے ایک مکتوب میں مرشد کی حقانیت کو یوں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں:

"این فقیر بہ یقین می دانست کہ مثل این صحبت [و] اجتماع و مانند آن تربیت و ارشاد بعد از زمان آن سرور علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات ہرگز بوجود نیامدہ است و شکر این نعمت بجا می آورد کہ اگرچہ بشرف صحبت خیر البشر علیہ و آلہ الصلوۃ والسلام مشرف نشدیم باری از سعادت این صحبت محروم نماندیم[2]"

حضرت خواجہ باقی باللہ دہلی آنے کے بعد دو تین برس حیات رہے۔ اس زمانے میں بے شمار اہل اللہ ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے تھے، یہ آپ کے معاصر ضرور تھے، لیکن ان میں سے آپ کا ہمسر شاید ہی کوئی ہو۔ آپ نے چالیس برس کے لگ بھگ عمر پائی جس کا معتد بہ حصہ عرفان الٰہی کے حصول میں صرف کیا

[1] کتاب المکاتیب والرسائل (قلمی) مملوکہ نقید سعید پروفیسر سید وزیر الحسن صاحب عابدی، لاہور (۱۹۶۷ء) ص ۱۰۷

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے لئے ملاحظہ ہو میرا مقالہ: An Introduction to the Life and Works of Shaikh Abdul-Haqq Muhaddith Dihlawi The Muslim World Vol. LXVIII No 3, P.P. 205-214

[2] رسالہ مبدا و معاد منقول از زبدۃ المقامات ص ۱۴۹.

اور باقی ماندہ دن اس کی نشر و اشاعت میں بسر کردیئے، چند سال کے قلیل عرصہ میں آپ نے کیا کیا گوہر ہائے گرانمایہ رشتۂ تسبیح کی طرح ایمان واخوت کی ڈوری میں پروئے اور کس طرح ایک عدسے کی طرح ان کی مساعی وتوجہات کو احیائے سنت اور اماتت بدعت کے لطیف نکتے پہ مرتکز کردیا یہ ایک الگ داستان ہے، اور چونکہ فرصت اور مقالہ کی متقاضی، فی الحال ہم ملفوظات حضرت خواجہ باقی باللہ کے اس حصے کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو انڈیا آفس لائبریری کے مخطوطے کے آخر میں آیا ہے، لیکن مطبوعہ کتاب "کلیات باقی باللہ" میں اس کا نام ونشان نہیں، یہ حصہ ان متعدد تواریخ ومراثی پر محیط ہے جو روز شنبہ ۲۵ رجمادی الثانی سنہ ۱۰۱۲ھ کو آپ کے ارتحال پر کہے گئے، اور جن کی جمع آوری کی نوید حضرت خواجہ کے مرید اور سوانح نگار محمد صادق دہلوی کشمیری ہمدانی نے ۱۰۲۳ھ میں بدیں الفاظ دی تھی:

"اکثر مردم فاضل مرثیہ و تاریخ گفتند و آں مرثیہا و تواریخ یکے از عزیزان جمع نمودہ[۲]"

آپ کے ملفوظات کے نامعلوم مولف نے اس موقعہ پر جو دلدوز مرثیہ کہا وہ کلیات باقی باللہ میں چھپ چکا ہے، باقی مرثیہ نگاروں کے نام اور آثار اقتباس ذیل میں آئیں گے ۔

ع قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

"بیان وصال حضرت ایشاں بدیں منوال ست کہ روز شنبہ آخر شدہ بود، بتجہیز وتکفین متوجہ شدیم و روز یکشنبہ شہر جمادی الثانی ۱۰۱۲ھ . بعضے از اصحاب کہ محرمیتی و نزدیکی در خدمت داشتند متوجہ بغسل شدند و بعضے از علمائے مخلص کتاب فقہی با خود داشتہ بر ... ایستادند و بر وفق کتاب وسنت تجہیز و تکفین نمودہ بیرون قلعہ کہ ... بہ شاہ دہلی بجائے سکونت مجاوران قدم

۱ تصوف میں آپ کے متوسلین کے بارے میں مزید اطلاع کے لئے دیکھئے میرے مقالات محولہ در پاورقی شمارہ ۱۷ (فوق الذکر)، نیز انڈیا آفس لائبریری (ذخیرۂ دہلی) شمارہ ۱۱۵۸- سی، اوراق ۶۹ ب ۶۶ الف

۲ باہتمام راقم اکرون (آمادۂ چاپ)، ص ۶۸ - ۶۵ .

حضرت رسالت پناہ علیہ من الصلوٰۃ اتمہا ومن التحیات اعینہا ساختہ و در زمان تحریر آں قلعہ آباد انست، در زمینے کہ بغایت مروح وپسندیدۂ مخلصان بود مدفون شدند، جناب استاذی جامع ظاہر و باطن المنفرد بالیق التکمیل جناب شیخ احمد سلمہ اللہ وجناب افادہ پناہی مختص العنایات العالیہ میاں شیخ تاج الدین مدتے ست کہ اجازت تام دارند وغیرہ [برگ ۶۶] از آنچہ بمقدار انست حتی مقام بتیاس صاحب مسودہ غمے دیگر کم داشتہ باشد لیکن با جمعے حاضران ومخلصان ہر یک حیران ومضطرب اندو ہم واز مردانیکہ حاضر اند کسے سر حلقۂ جمع الحال تواند بے شبہہ جناب مخدومی ملاذی شیخ میاں الہداد سلمہ تا تاریخ تحریر دریں باب متوجہ اند و بعضے دیگر کہ گاہ در خلوت ازاں عالیحضرت شنودہ شد کہ استعداد تکمیل در آنہاست نظہور اثرآں معلوم نیست کہ دریں نزدیکی شود و جناب مخدومی ملاذی میاں شیخ الہداد تا تاریخ تحریر دریں باب متوجہ نمی شوند[۱] حق سبحانہ آخر ایں تفرقہ را بجمعیت مبدل گرداند اللہم احفظنا یا فیاض من جمیع البلایا والامراض در رحلت آں عالیحضرت بے شبہہ بعد از اتمام چہل سالگی واقع شد لیکن اختلاف درینست کہ بعد از اتمام چہل سال سہ ماہ دیگر گذشت وبعضے می گویند کہ بعد از اتمام چہل بے ہیچ فاصلۂ روزی وماہی ارتحال واقع شد، چوں ہنوز والدۂ ماجدۂ ایشاں از غم وہیبت آں قدر باز واقف نیامدہ اند کہ ازیں امور تواں پرسید وہر دو روایت نوشتہ شد، ان شاء اللہ چوں والدۂ ایشاں ازیں غم ہلاک نشدہ بشعور تمام آمدند [برگ ۶۶ ب] فاضلے کہ مسودہ را بیاض خواہد برد تحقیق نمودہ خواہد نوشت، بعد از رحلت بچند روزے از تسوید ایں رقیمہ فراغ حاصل شد. بعضے از تواریخ ومرثیہا کہ از فضلائے منتسباں گفتہ بودند ایراد می یابد.

۱ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد آپ کی جانشینی کی بابت آپ کے اکابر خلفا میں جس اختلاف رائے کا پتہ چلتا ہے اس کے بارے میں کسی اظہار نظر سے قبل یہ معاصر شہادت بھی پیش نظر رہنی چاہئے، بدقسمتی سے راقم کے پیش نظر مائکروفلم کا یہ حصہ زیادہ واضح نہیں۔

جناب ملاذ العلماء ملجأ فضلا، جامع منقول و معقول خدام میاں عبدالحق کہ معتقد و مقبول و منظور حضرت ارشاد پناہی بودند تاریخ گفتہ اند و آں اینست :

خواجہ باقی مطلع روز ہدایت روے او   ہادی اہل طریقت بر صراط مستقیم

کرد تسلیک طریق نقشبنداں در جہاں   بر طریق اصل ایں مردم بمنہاج قویم

ہمچو او نقش نکو بر صفحۂ آخر زماں   ہیچ جا صورت نہ بست از کلک نقاش قدیم

در ہدایت آنچہ او را آمد ز فضل و کمال   کس ندید اندر رہنمایت وہم ذو الفضل العظیم

کو کسے بو دست منقض از سماے معرفت   دشمن بد نفس او مانند شیطان رجیم

تا بر آمد ہمچو بدر کامل از برج شرف   گشت از تیغ عداوت سینۂ حاسد دونیم

ساحت عزت سراے قوم نیل [مصر داں]   بوستاں بر دوستاں بر دشمناں نار جحیم

بود سرو باغ فردانیت آزاد از ہمہ   شد خراماں آخر از دنیا بجنات نعیم

بود چوں دایم صراط مستقیمش راہ شد   سال تاریخ وفاتش "الصراط المستقیم"[1]

[برگ ۹] آں خواجہ کہ پاک بود از وصمت عیب   سر حلقۂ اہل فقر بے شبہہ و ریب

چوں بود نجیب ذات او مستہلک   غیب آمد بتاریخ وفاتش از غیب

تقوی شعار جامع العلوم مولانا محمد یوسف مرغینانی کہ بعد از تحصیل علوم متداولہ بفقر و شکستگی کہ یکے از اشمال ایشاں راوست دہد دریں خانقاہ می بودند و محل الطاف عالیہ گشتہ اند، با وجود [آنکہ] ورزش شعر گفتن ندارند از روئے اخلاص تاریخے یافتہ در بیت چند اندراج نمودہ اند و رباعی نیز از خود آوردہ بودند، اگرچہ دیگرے از فضلا بایشاں توارد کردہ لیکن تبرکاً برائے یادداشت خود نوشتہ می شود، تا ایں یادداشت اجتماع ایں طور مردم را یاد دہد و در اوقات تفرقہ سبب جمعیت گردد، ابیات

[1] فی الاصل "الصراط مستقیم" (= ۹۸۱ ہجری)

اینست :

خواجہ باقی کہ بود قطب جہاں   دیدۂ دل بغیر حق نہ کشود

بود مرآت غیب چہرۂ او   زو نمود از و چہرۂ مقصود

لب لعلش بنطق جاں بخشید   چشم مستش بعشوہ ہوش ربود

ہر کہ دیدے رخش عیاں خواندے   آیت صدق شاہد و مشہود

شد بر اہل زماں جہاں تاریک   آفتاب جہاں غروب نمود

صبح در فرقتش گریباں چاک (برگ ۹ ب) چرخ در ماتمش لباس کبود

چشم انجم ز شام تا بسحر   اشک ریزاں چو چشم من نغنود

... ...   ہاتفے گفت : شیخ کمل بود

مولانا حسن[1] نام یکے از فضلاے کہ بشرف اخلاص و قرابت مشرف بودند، ایں مضمون را کہ رحلت آں عالیحضرت بعد از اتمام چہل سالگی بود، بخوب ترین طریقے آورد کہ تاریخ ہم درآں قطعہ درج نمودہ اند و آں قطعہ اینست ،

قیل اہل سعادت خواجہ باقی آنکہ بود   خاکروب آستانش اہل قال و اہل حال

ہمچو خورشید حقیقت نور فیض القدسی   مشرق و مغرب گرفتہ چوں جنوب و چوں شمال

مدتے حق تجلی جمالے کردہ بود   حالیا بر بندگاں دارد تجلی جلال

[1] حضرت شیخ احمد سرہندی معروف بہ امام ربانی مجدد الف ثانی اولین مرتبہ آپ ہی کی وساطت سے خانقاہ باقویہ تک پہونچے، مکتوبات امام ربانی اور نقشبندی مجددی تذکروں میں آپ کو بالعموم مولانا حسن کشمیری کے نام سے یاد کیا گیا ہے لیکن کوئی تفصیل نہیں دی گئی، آپ کے تعارف کے لئے ملاحظہ ہو میرا مقالہ محولہ در بالا ورقی شمارہ ۱۷ (فوق الذکر)

حیف کاں قطب زماں بعد از چہل سال تمام
چوں مسیحا کرد از دارِ بدای انتقال

یادش فارغ شد از ارشادِ اہلِ زماں
یا گرفت آئینہ اش از خاکیاں گردِ ملال

تا بتکمیلِ ملائک رفت سوئے آسماں
تا مشرف سازد آنجا ہم زہے صاحب کمال

یا نہ اینست و نہ آں در شوقِ آں خلوت نشیں
کرد قصدِ وصل بعد از اربعین بے انفصال

در کمالِ عشق واصل گشت با محبوبِ خویش
عاشقِ کامل محبت شد از آں سالِ وصال

جناب فضیلت مآب میاں نور محمد[1] ولد میاں عبدالحق قصیدۂ در مرثیہ حضرت ارشاد پناہے گفتہ، و
درمیانِ آں بیتہا و مصرعہائے پسندیدہ یافتہ می شود [برگ ۶۸] و بعضے فضلا می نمایند کہ مصراع
از بیت بیست و دوم مشارٌ الیہ بخاقانی توارد نمودہ اند،

الحذر کآتش از جہاں برخاست
در کمیں فتنۂ زماں برخاست

بر زمیں جائے سبزہ شعلہ دمید
وز فلک ابرِ خوں فشاں برخاست

پیرہن چاک ... از باغ
بلبل از صبح نوحہ خواں برخاست

گشت یعقوبِ دہر دیدہ سفید
کز برش یوسفِ زماں برخاست

گیتی از غصہ خاک بر سر کرد
کہ سر افسردہ از جہاں برخاست

غرقِ سیلابِ دیدہ قافلہ شد
کز میان میر کارواں برخاست

رخت ہستی ازیں سرا بر بست
بسوئے ملک جاوداں برخاست

از سرِ دیں کلاہِ عزت رفت
افسر فرقِ راستاں برخاست

[1] حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے فرزند اکبر، جانشین معنوی اور شاہجہاں کے عہد میں اکبرآباد کے قاضی شیخ نورالحق متخلص بہ مشرقی مراد ہیں، شیخ نورالحق شوال ۱۰۷۳ھ میں بسن نود سالگی فوت ہوئے اور دہلی میں حوض شمسی کے علاقہ میں اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے، صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔

خواجہ باقی کہ از گذاشتنِ او
جاں ز دل رفت و دل زجاں برخاست

بر رخ از اشک دیدہ آبلہ بست
لالہ از کشتِ زعفراں برخاست

بخدا جانِ ناتواں بے او
خیز و از تن اگر تواں برخاست

اے دریغا کہ از میانۂ جمع
آں نہاں بیں خردہ داں برخاست

قدوۂ اولیا ز دیدہ نہفت
مظہر رحمت از میاں برخاست

مسند آرائے ملک فقر گذشت [برگ ۶۸ ب] شہر دیں را خدائے گاں برخاست

بہ چمن دیدہ ہائے بالیستی
کہ تماشے لباں لباں برخاست ؟

پاک تر از گل بہشت دمید
صاف تر از لبِ آسماں برخاست

بیدلے چند حلق بستہ بماند
قطب ارشاد از میاں برخاست

آں ز خود فانی و بحق باقی
کز نشاں سوئے بے نشاں برخاست

بود مستہلک تجلّی ذات
او ز نام و ز از میاں برخاست

بدوام شہود مستغرق
بود نا بود ہمچناں برخاست

بحرم گاہِ قدس منزل کرد
پاک ازیں تیرہ خاکداں برخاست

رفت آں کد خدائے خانۂ دیں
بام بنشست آستاں برخاست

از گدایانِ خاکِ حضرتِ او
ہوسِ گنجِ شایگاں برخاست

سالِ فوتش ز مشرقی جستم
از رہِ دیدہ سیلِ زماں برخاست

اول خواند شیخِ کمل بود
وز پے فکر بعد ازاں برخاست

خواجہ عارفِ الٰہی گفت
بار دیگر پے بیاں برخاست

یارب ایں برگزیدۂ خود را
کہ بشوقِ تو بس رواں برخاست

ہمدمِ انبیاء و مرسل گشت
کہ وے از ننگ ایں و آں برخاست

وصلی اللہ علی محمد واصحابہ واولیاءہ [برگ ۶۹] وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔ مخلص[1] دیگر ایں قطعہ تضمین کردہ است:

قطبِ ارشاد خواجہ باقی آنکہ
مردم از ماتمش برآشفتند

سالِ تاریخِ آں یگانۂ عصر
وائے تاریک شد جہاں گفتند

دردا کہ ہیچ ہم نفسے نیست در جہان
تا حالِ خویش عرض تواں کرد پیش آن

اندہ گرفت طبع مرا سخت در کنار
ادبار نخلِ بخت مرا کرد آشیان

پایم بقید محنت و دستم بجیبِ غم
رخسارہ زعفرانی و اشکم ارغوان

صبرم زپا فتادہ، شکیبم ز دست ماند
عقلم بباد شد خردم رفت رایگان

من می طپم بخوں ز ہوائے وصالِ دوست
اندر کمین نشستہ زہر سوئے دشمنان

دل ہمدمِ نخان و فغان مونسِ دلم
جان در میانِ آتش و آتش میانِ جان

گیتی بکین و چرخ بخشم و فلک بجور
اغیار در پے ستم، یار ہمچنان

از جورِ غیر شکوہ کنم یا ز خوئے یار
ز ایام سرد ہم گلہ را یا ز آسمان

در خاطرم ملال و بلب زہر خندگی
تا چند آتش دل خود کنم نہان

گر با کسے نگویم سوزِ دل و جگر
ور با کسے بگویم سوزد لب و دہان

ہر لحظہ می زنم سر خود را بسنگِ غم
ہر دم بہ تنگ میشوم از دستِ این و آن

[برگ ۶۹ ب] القصہ دارم از غم او حال این چنیں
تا رفتہ است قطبِ زمان از زمین جہان

دریائے فیض گوہرِ یکتائے کانِ شرع
خورشیدِ چرخِ معرفت و تاج راستان

---

[1] یہ تاریخ کلمات الصادقین میں بھی نقل ہوئی ہے لیکن بیت دوم "آسمان در ماتم او" الخ شامل نہیں۔

خیرالانام فخرِ زماں خواجہ باقی آنکہ
پیدا نہ شد چو او دگرے اندریں زمان

آں میر کارواں چو بچہل سالگی رسید
بربست بار و رفت سوئے ملکِ جاودان

شد جوِ نوحہ گر ملکوتش جنازہ کش
افتادہ ماتمے بسرِ خلقِ آنچنان

کز بانگِ نوحہ غلغلہ در شش جہت فتاد
وز شورِ گریہ ولولہ بر ہفت آسمان

آں روز ہمچو روزِ قیامت ہمی نمود
از نفخِ صور یاد ہمی داد آن زمان

شبلیِ وقت و بایزیدِ زماں
حضرت خواجہ لجۂ عرفان

گشتہ دل مضطر از گذشتنِ او
شدہ خاطر ز رفتنش حیران

آن گلستانِ فیض غنچہ صفت
رفت خوش حال و خرم و شادان

سالِ فوتش ز عقل پرسیدم
عقل در فکر رفت و شد حیران

از جہاں رفت قطب الاقطابے
گفت با سوز و درد و نعرہ زنان

ایضاً

تاریخ وفات قطب الاقطاب خواجہ محمد الباقی قدس سرہٗ

رفت ہادی شریعت مرشدِ اہلِ زماں
آنکہ بودہ قبلۂ اربابِ معنی صورتش

آسماں در ماتمِ او خرقہ را در نیل زد
صبح پیراہن درید اندر میانِ فرقتش

کے توانم نطق زد اندر صفاتِ ذاتِ او
ہست سرتاپا ہمہ عالم گواہ عصمتش[1]

پادشاہِ نقشبنداں بود آمد زیں سبب
سرگروہِ نقشبندیہ حساب رحلتش[2]

متذکرہ بالا عبارت میں "مخلص دیگر" سے مراد مولانا محمد صادق دہلوی کشمیری ہمدانی ہیں۔ مولانا نے

---

[1] کلمات الصادقین: کے توانم نطق زد اندر ذات و صفاتِ او۔ ہست سرتاسر ہمہ عالم گواہ عصمتش۔

[2] کلیات باقی باللہ کا یہ نسخہ محمد معظم قادری کے ہاتھوں ۸ رجادی الاول ۱۰۹۷ھ کو مکمل ہوا۔

اپنے مرشد کے وصال کے بعد آپ کی منقبت میں ایک نظم اور بھی لکھی جو کلمات الصادقین میں محفوظ ہے اور قارئین کے استفادے کے لئے ذیل میں نقل کی جاتی ہے:

خواجۂ زندہ دلاں خواجہ محمد باقی
واقفِ سرِّ نہاں خواجہ محمد باقی

پادشاہِ دو جہاں خواجہ محمد باقی
سببِ امن دلاں خواجہ محمد باقی

مہر و مہ مقتبس از پرتوِ انوارِ ویست
نُہ فلک دائرۂ نقطۂ پرکارِ ویست

از فلک می گزرد کوکبۂ شاہیِ او
رفتہ جائے کہ ملک ماندہ ز ہمراہیِ او

جائے آنست کہ از مرتبۂ جاہیِ او
شیرِ گردوں کند اقرار بہ روباہیِ او

از جمالِ رخ او شد ہمہ دہلی پُر نور
شعلہ ز آتش وے بود تجلی برطُور

وائے آں دل کہ در فکرِ خیالش نبود
آرزومند و گرفتارِ جمالش نبود

روز و شب در غم و اندوہ و ملالش نبود
دمبدم طالب و خواہانِ وصالش نبود

خستہ بادا جگرے کان ہدفِ تیرش نیست
بستۂ سلسلۂ [حلقۂ] زنجیرش نیست[1]

من کہ بے حاصلم و رندم و رسوا و دغل
نیست نقدی بکفِ دست من از [علم] و عمل

بندۂ حلقہ بگوش ویم از روز ازل
غیر او ہر کہ بود کردم از و قطعِ امل

یارب از بادۂ مستانۂ وے مستم کن
در بغل جام و صراحی بکفِ دستم کن

بکن از جرعۂ خمخانۂ وے مست مرا
عقل و ہوش و خرد من ببر از دست مرا

اے خوش آنکس کہ پے تربیتش روح تو شد
رحم آلودہ بہ آں دل کہ نہ مجروحِ تو شد

چشمِ لطفے ز تو دارم طمع اے مایۂ ناز
سوئے من بنگر و یک لحظہ بحالم پرداز

می توانی کہ نجاتم دہی از سوز و گداز
رحم کن رحم، خلاصم دہ و آزادم ساز

---

[1] اس کے بعد یہ مصرعہ بھی نقل ہوا ہے: "ساز در حلقۂ آں سلسلہ پابست مرا".

یک نگاہے دگر امروز بکارم فرمائے
بادۂ لطف خودم بخش و خمارم بربائے

اے شہنشاہِ جہاں از تو مدد می خواہم
راہ بنمائے کہ آوارہ ام و گمراہم

بکہ گویم غم خود بندۂ ایں درگاہم
از کہ جویم مددے چاکرِ شاہنشاہم

نیست غیر از تو مرا ہیچ کسے پشت و پناہ
دست من گیر و بروں آر ازیں ظلمت چاہ

اے چمن برگ گلستانِ جمالت خورشید
مطرب بزمگہ عشق و صالت ناہید

زائرِ کعبۂ درگاہ جلالت امید
صد چو من حلقہ بگوشانِ کمالت جاوید

تا کجے در بدر و مایل ہر سو باشم
چند آوارہ و سرگشتۂ ہر کو باشم

وقت آنست کہ آشفتہ و دیوانہ شوم
لائے در کشم و ساکن میخانہ شوم

کنج بگزینم و چوں جغد بویرانہ شوم
رو بصحرا کنم و از ہمہ بیگانہ شوم

دہ کہ از دست من خستہ نمی آید ہیچ
از عدم نامدمے کاش درین جا بہ ہیچ

بزمِ صوفیہ

(طبع سوم)

اس میں تیموری عہد سے پہلے کے صاحب تصنیف اکابر صوفیہ مثلاً شیخ ابو الحسن ہجویری، خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ بختیار کاکی، قاضی حمید الدین ناگوری، خواجہ گنج شکر، خواجہ نظام الدین اولیاء، شیخ بو علی قلندر، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، سید اشرف جہانگیر سمنانی، سید گیسو دراز، حضرت شیخ احمد عبد الحق توشہ رودولوی رحمۃ اللہ علیہم کے حالات و تعلیمات و ارشادات کو بہت تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، آخر میں صفحہ ۶۳۱ سے ایک ضمیمہ ہے جس میں خواجگانِ چشت کے تمام ملفوظات کے غیر جعلی اور مستند ہونے پر نہایت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ مرتبہ سید صباح الدین عبد الرحمن۔ قیمت: ۲۵ روپیہ

مولانا عبدالسلام قدوائی مرحوم کی یاد میں

۲۶ محرم ۱۴۰۰ھ ۱۳ اے درخشاں سوسائٹی کراچی ۲۰

مکرم و محترم جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب،

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ! امید ہے آپ و تمام اہل خانہ بخیر و عافیت ہوں گے۔

رمضان شریف کے فوراً بعد میں امریکہ کے سفر پر روانہ ہوگیا جب واپسی ہوئی تو لکھنؤ کے اخبارات اور رسالے سے محب گرامی مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی کے سانحۂ ارتحال کی مفصل خبر پڑھ کر سخت صدمہ ہوا، مرحوم سے میرے دیرینہ تعلقات تھے، "انا للہ وانا الیہ راجعون"۔ ایک تیسرے بزرگ ندوی کا انتقال ہوگیا۔ ندوی برادری کو چند ماہ کے اندر پے بہ پے چند سخت صدمے پہونچے، ابھی جوان صالح، عربی کے صاحب طرز انشاء پرواز اور ادیب محمد الحسنی مرحوم کے انتقال پُرملال کے صدمہ کا اثر زائل نہیں ہوا تھا کہ مولوی اسحاق جلیس ندوی کے سانحۂ ارتحال کی خبر سُنی اور چند ماہ کے بعد مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کے انتقال سے دل کو سخت صدمہ پہونچا، اللہ تعالےٰ ان تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے،

مولانا عبدالسلام صاحب ایک نہایت متواضع، اردو کے انشاء پرداز، دینی بصیرت رکھنے والے، تاریخ اسلام کے عالم تھے، اور ندویوں میں ممتاز مقام رکھتے تھے، جو لوگ مرحوم کو قریب سے جانتے تھے، ان کی شریف النفسی، تواضع و انکسار، دوستوں کی قدر دانی سے واقف تھے، مولانا نے قرآن حکیم کو سمجھنے کے لئے عربی زبان کی تعلیم کا ایک آسان نصاب مرتب کیا تھا، اور عربی کے دس سبق سے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا، یہاں بھی ان کے شاگردوں نے اس کے ذریعہ قرآن حکیم کی تعلیم کی اشاعت کا کام لیا، اللہ تعالےٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، اور اپنے جوار رحمت میں مقام خاص عطا فرمائے، آپ مرحوم کے اہل خانہ تک میری تعزیت پہنچا دیں،

آپ کا مخلص۔ محمد ناظم ندوی

(سابق پروفیسر مدینہ یونیورسٹی سعودی عرب)

مولانا افتخار فریدی کا

ایک مکتوب

مراد آباد۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۹ء

محترم و مکرم جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب السّلام علیکم،

کرم نامہ ملا، جزاکم اللہ! دسمبر کا معارف نہیں ملا، مجھے معارف میں صرف آپ کے شذرات کے دیکھنے کا اشتیاق رہتا ہے، مدرسہ امدادیہ سے منگا کر دیکھا، ماشاء اللہ، آپ نے ملت کی پوری تاریخ چند سطروں میں جس جامعیت کے ساتھ تحریر فرمائی ہے، پڑھ کر آپ کے لیے دل سے دعا نکلی، کاش آپ اسے ذرا اور وسعت سے مرتب فرما دیں تو ہم جیسے عامیوں اور نونہالان ملت و طلبہ کے لیے بہت ہی مفید ہوگی، مدارس کے کورس کے لیے بھی، کاش کہ اس کا ترجمہ انگریزی و عربی میں بھی ہو سکے۔ دریا کو کوزے میں بند کرنے کی مثل کہی جاتی ہے، مگر سات سمندر کو کوزے میں بند کرنا آپ ہی کے قلم مبارک کا کمال و برکت ہے۔ بندہ اس لائق تو نہیں لیکن آپ کے کریمانہ اخلاق نے یہ جرأت دلائی کہ اس میں چند نام اس دور آخر کے اور جوڑنے چاہئیں، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا محمد علی، حسن بنا، مفتی امین الحسینی، امیر شکیب ارسلان، سعید نورسی، مولانا محمد الیاس کا شیخ التبلیغ، شیخ سنوسی، انور پاشا، غازی عبدالکریم ریفی، نادر شاہ کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کا جوڑ نہیں، یہ تو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے منشاء سے نجیب الدولہ کے ذریعہ مرہٹوں کے طوفان کو مٹانے کے لیے آئے تھے، اسپین میں محمد بن تومرت، موحدین، تاشقین نے تو اسپینی مسلمانوں کی عمر دو سو سال

بڑھائی، ان کا ذکر بھی ضروری ہے، یہ حضرت امام غزالی کی کارگزاری تھی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لے کر سلطان عبد المجید خاں تک خلافت مسلسل چلتی رہی مصطفیٰ کمال نے اسے توڑا اس سے بڑا حادثہ ملت کی تاریخ میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اس اعتبار سے یہ صدی پچھلی تمام صدیوں سے ملت کی بربادی میں بڑھ گئی، خلافت، اسرائیل، بیت المقدس کا نکلنا، بیت اللہ کا حادثہ ایسے ہولناک اور تباہ کن حادثے کسی صدی میں نہیں ہوئے، آپ کو اس میں ذرا وضاحت سے لکھنا چاہیئے۔

انگریزوں نے یونان کی، دو مصطفیٰ کمال کے مقابلہ میں اسی لیے نہیں کی کہ خلافت کے توڑنے کا معاملہ طے کر لیا تھا، دول سالمہ کے نو مسلم یہودیوں نے سلطان عبد الحمید خاں کو تخت سے اس سزا میں اتارا، یہودی کو فلسطین کی زمین دینا گوارا نہیں کیا جا سکتا ہے، عباسی صاحب کی تحریک خلافت آپنے ملاحظہ فرمائی، کاش شبلی و سید کی ارواح کو چین پہونچانے کا شرف آپ کو ملے۔

افتخار فریدی

معارف :- احمد شاہ ابدالی ہندوستان میں اپنے آخری حملہ میں مرہٹوں سے پانی پت میں لڑا، اس سے پہلے وہ اپنے متواتر حملوں میں مسلمانوں ہی سے لڑتا رہا، ۱۷۵۷ء کے حملہ میں دہلی میں داخل ہو کر اس کو دو مہینے تک ایسا لوٹتا رہا کہ نادر گردی بھی بھلا دی گئی، پانی پت کی فتح کے بعد جب دہلی آیا تو مورخین لکھتے ہیں کہ یہاں اتنا مال حاصل کیا جو تصور میں نہیں لایا جا سکتا ہے، وہ یہاں حملہ آور ہو کر ایک ابدالی یا درانی خاندان کی حکومت کا بانی ہو جاتا تو اس کے حملے کا جواز نکل سکتا تھا، مگر وہ یہاں آتا لوٹ مار کر واپس چلا جاتا، اس لیے اس کا شمار نادر خاں ہی کی صف میں ہونا چاہیے۔

باب التقریظ والانتقاد

تاریخ ادبیاتِ اردو پر ایک نظر

از

ڈاکٹر قدسیہ نواز الحسن صاحبہ الہ آباد

علم و ادب کے شائقین کے لئے یہ بات بڑی خوشی کی ہے کہ شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور نے برصغیر ہند و پاک کے مسلمانوں کی ادبی تاریخ مرتب کی ہے، اور انیس ۱۹ جلدیں اسکی زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں، عرصہ سے ایک ادبی انسائیکلو پیڈیا کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، پنجاب یونیورسٹی اس کی اشاعت پر ارباب علم و ادب کی طرف سے مبارکباد کی مستحق ہے۔

اس سلسلہ کی پہلی جلد مقدمہ پر مشتمل ہے، اس میں ہند و پاک کے تہذیبی، علمی، فنی اور تعلیمی کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے، دوسری جلد میں ۱۲۰۰ء سے ۱۹۷۰ء تک کے عربی ادب کا جائزہ لیا گیا ہے، تیسری، چوتھی اور پانچویں جلد فارسی ادب سے متعلق ہے، اس میں ۱۰۰۰ء سے ۱۹۷۰ء تک کے فارسی ادب کی تاریخ بیان کی گئی ہے، چھٹی، ساتویں، آٹھویں نویں اور دسویں جلد اردو ادب کے بارے میں ہے، اس میں ۱۸۰۰ء سے ۱۹۷۰ء تک کی ادبی سرگذشت ہے، گیارہویں اور بارہویں جلد بنگالی ادب پر مشتمل ہے، تیرہویں اور چودہویں جلد مغربی پاکستان کے علاقائی ادبیات پر، پندرہویں جلد اشاریۂ اردو ادبیات، سولہویں جلد اشاریہ بنگلہ ادبیات

سترھویں جلد اشاریہ علاقائی ادبیات، اٹھارہویں جلد اشاریہ فارسی ادبیات، انیسویں جلد اشاریہ عربی ادبیات پر ہے،

اس تاریخ کی تکمیل میں ارباب علم و ادب نے خاصی محنت کی ہے، اس کو ڈاکٹر عبادت بریلوی، پروفیسر عبدالقیوم، ڈاکٹر وحید مرزا، پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی، پروفیسر وزیر الحسن عابدی، ڈاکٹر وحید قریشی، پروفیسر وقار عظیم، سید فیاض محمود، ڈاکٹر سید علی اشرف، عبدالغنی، رحمٰن ملک، اور زادہ زیدی نے ایڈٹ کیا ہے،

کوئی بھی علمی و تحقیقی کام نقائص سے پاک نہیں ہوتا، متفرق مواد کی یکجائی اور کتابوں کی ورق گردانی میں غلطیوں کا رہ جانا ناگزیر ہے، اس وقت ہمارے پیش نظر تاریخ ادبیات اردو ہے، اس کی بعض اہم فروگذاشتوں کی طرف توجہ دلانا ہے، جلد نمبر ۶ (ادبیات اردو اول) ص ۲۳ پر اکبر کے عقائد کے بارے میں عبدالقادر بدایونی کے مقابلہ میں رائے چودھری وغیرہ کے بیان پر اعتماد کرنا مناسب ہے، رائے چودھری کی کتاب "دین الٰہی تحقیقی نقطۂ نظر سے" غلط بیانیوں اور جھوٹ کا مجموعہ ہے، سنجیدہ علمی حلقہ میں اس کی کوئی وقعت نہیں، اس کے علاوہ اکبر کا دین الٰہی اسلام کے بالکل ہی متوازی مذہب تھا، اس کو محض بدعت کبیرہ سے تعبیر کرنا مداہنت اور ذہنی مرعوبیت کا نتیجہ ہے، عامۃ المسلمین کو عوامۃ المسلیمن لکھا گیا ہے، (ایضاً ص ۲۴) جامعۂ ازہر مصر کو صرف الاظہر تحریر کیا ہے، اس میں املا کی غلطی کے علاوہ صرف ازہر لکھنے سے عام آدمی کا ذہن اس جامعہ کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا، وہاں کے جو شیوخ ترجمۂ قرآن کو گناہ خیال کرتے تھے، ان کے نام اور حوالے تحریر کرنا چاہئے تھا، تاکہ مراجعت میں سہولت ہوتی، (جلد ، ص ۲۷۴) شاہ حاتم کے حالات میں لکھا ہے کہ پہلے وہ رمزی تخلص کرتے تھے، حالانکہ ان کا تخلص رمز تھا، ان کی شاعری کا آغاز ۱۱۱۵ھ، ر ۱۱۲۰ھ میں ہوا، حاتم کی ولادت باتفاق ۱۱۱۱ھ میں ہوئی، ان کی ۱۱۴۴ھ کی غزل کا ایک شعر ہے، ؎

اڑتیس برس ہوئے کہ حاتم
شاق قدیم و کہنہ گو ہے

اس سے ان کا آغاز شاعری ۱۱۲۰ھ کے بجائے ۱۱۰۶ھ متعین ہوتا ہے، (ایضاً جلد نمبر ۸ ص ۴۰) دیوان فغاں

کے مرتب کا نام مرزا صباح الدین لکھا ہے، جبکہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ہونا چاہیے، یہ دیوان ۱۹۵۰ء میں انجمن ترقی اردو پاکستان سے شائع ہوا، (ایضاً ص ۲۳۱) شاہ رؤف احمد رافت مجددی کی جائے پیدائش لکھنو لکھی ہے، یہ صحیح نہیں، ان کی ولادت رامپور میں ہوئی، تذکرہ کاملان رامپور وغیرہ میں بھی یہی درج ہے، مقالہ نگار نے رافت تخلص اور رامپوری نسبت لکھنے کے بجائے سرہندی تحریر کر دیا ہے، اس کی وجہ سے ان کی طرف آسانی سے ذہن منتقل نہیں ہوتا، کیونکہ ۱۱۷۰ھ میں جب سکھوں نے سرہند کو تاخت و تاراج کیا تو اس خاندان کے چشم و چراغ شاہ شعور احمد مجددیؒ (والد بزرگوار رافت) رامپور تشریف لے آئے، اس طرح مجددی خاندان کا مسکن و مامن رامپور بن گیا، تاہم رافت کا تعلق حضرت مجدد سرہندیؒ سے تھا، (ایضاً ص ۳۳۹) خلیق احمد نظامی کو خلیق دہلوی لکھا ہے، (ایضاً ص ۲۳) مخدوم اشرف جہانگیر سمسانی لکھا ہے، صحیح سمنانی ہے، اسی طرح "جہاں تک تحقیق ہو" غلط ہے "تحقیق ہونے تک" (ایضاً ص ۲۰۸) مولانا شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمۂ قرآن کا نام موضع القرآن غلط لکھا ہے صحیح نام موضح القرآن ہے، (ایضاً ص ۴۰۱)

جلد ۸ (ادبیات اردو سوم) ص ۱۳۰، مفتی صدرالدین خاں آزردہ کا تذکرہ چند سطروں میں کر دیا گیا ہے، وہ بڑے صاحب علم و فضل اور جنگ آزادی کے مجاہد تھے، اس لئے ان کا ذکر تفصیل سے کرنا چاہیے تھا، ان کے متعلق لکھا ہے کہ "نثر میں ان کی یادگار صرف چند خطوط ہیں"، جبکہ ان کا فارسی و اردو کلام خمخانۂ جاوید، آثار الصنادید، اور گل رعنا وغیرہ میں ملتا ہے، بلکہ سرسید مرحوم نے آثار الصنادید میں ان کے چند عربی اشعار بھی نقل کئے ہیں، ڈاکٹر خلیق انجم نے اردو نامہ کراچی پر اپریل ۱۹۶۴ء میں آزردہ کا کچھ اردو کلام جمع کر کے شائع کیا تھا، اور حال ہی میں عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی نے آزردہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اس میں ۱۳ غزلیں، ایک شہر آشوب اور کچھ متفرق اشعار دیئے ہیں، ان کے جس فارسی تذکرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ "اب ناپید ہے" اس کے

ابتدائی ۴۴ صفحات کا ایک قلمی نسخہ کیمبرج یونیورسٹی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے، ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو نے سہ ماہی تحریر دہلی میں اس کا مفصل تعارف کرایا ہے (ملاحظہ ہو جلد نمبر ۴ شمارہ ۴ سنہ ۱۹۷۰ء) مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور کا نام "مدرسہ علوم" تحریر کیا ہے، (جلد ۹ ص ۲۵) دیوبند میں مدرسۂ رحیمیہ دہلی کا نصاب تھا کے بجائے درس نظامی ہونا چاہیئے (ایضاً ص ۲۵) لکھا ہے کہ بریلوی پارٹی نے شدت سے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت پر کمر باندھی" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب حنفی کی ترویج و اشاعت میں اصل حصہ اسی جماعت کا ہے، جو صحیح نہیں ہے، حنفی مسلک کی اشاعت میں علمائے دیوبند نے بھی بڑا حصہ لیا ہے، مگر بریلوی جماعت کو علمائے دیوبند سے شدید اختلاف ہے، (ایضاً ص ۲۹) آسان و سہل مکتوب نگاری کا سہرا یقیناً غالب کے سر ہے، لیکن سرسید، حالی، اکبر اور شبلی کے خطوط کو ان کے خطوط کے ہم پایہ نہیں کہا جا سکتا، ان سب میں صرف مولانا شبلی کے خطوط میں رنگینی و بے تکلفی ہے، اور ان کے کچھ خطوط تو بالکل ہی غالب کے رنگ میں ہیں، (ایضاً ص ۶۲) آثار الصنادید کی صرف دو اشاعتوں سنہ ۱۸۴۷ء اور سنہ ۱۸۵۳ء کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۸۵۴ء میں چھپا تھا، سنہ ۱۸۵۳ء غلط ہے، حال ہی میں اس کا ایک ایڈیشن پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے زیر اہتمام ڈاکٹر معین الحق کے مقدمہ اور حواشی کے ساتھ شائع ہوا ہے، جس کی وجہ سے اس کی ضخامت دوگنی ہو گئی ہے، (ایضاً ص [illegible]) لکھتے ہیں کہ قاری صاحب کے حالات مطبع معارف مارچ سنہ ۱۹۳۱ء میں لکھا تھا، اس کو رسالہ معارف اعظم گڈھ لکھنا چاہیئے تھا نیز "یہ مضمون مقالات شیرانی میں شامل تھے" مقالات شیرانی کے بجائے مقالاتِ شیروانی اور "تھے" کے بجائے تھا ہونا چاہیئے، (ایضاً ۱۲۱) ڈاکٹر عبد القیوم نے حالی کی حیات جاوید کے نقائص واضح کئے ہیں، اور بعض دوسرے اہل قلم کو بھی ان کے اسلوبِ نگارش پر اعتراض ہے، ایسی صورت میں شبلی کے اس کو "کتاب المناقب" یا "للمداحی" کہہ دینے پر کیوں برہمی ظاہر کی گئی ہے، یہ دوہرا معیار ٹھیک نہیں، (ایضاً ص ۱۲۹) حدیث کی مشہور کتاب سنن ترمذی کو سنن ترمذی لکھا گیا ہے (ایضاً ص ۱۴۳) لکھتے ہیں کہ الفاروق کا عربی ترجمہ شائع ہو گیا ہے، یہ صحیح نہیں ہے، (ایضاً ص ۱۸۲)

لکھتے ہیں، "شعر العجم (شبلی) کا پانچواں حصہ جو ان کی تحقیقات کا نچوڑ ہے، فارسی میں ترجمہ ہو کر مقبول ہو چکا ہے" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کو دوسرے حصوں کے ترجمے کا حال معلوم نہیں، صحیح یہ ہے کہ شعر العجم کے پانچوں حصے فارسی میں ترجمہ ہو کر ایران سے شائع ہو چکے ہیں، (ایضاً ص ۱۰۸) عبد الرزاق کانپوری کی البرامکہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ "البرامکہ ایک قابلِ قدر اضافہ ہے، جو عہدِ سرسید نے اردو سوانح میں کیا" یہ کتاب عہد سرسید کے بعد تحریر کی گئی، اس لئے اس کو اس عہد کی تصانیف میں شمار کرنا صحیح نہیں، البتہ سرسید نے اردو میں جس سلاست نگاری کی بنیاد ڈالی اس کا یہ نمونہ ہے، (ایضاً ص ۱۵۴) لکھتے ہیں "شبلی نے جہانگیر اور تزک جہانگیری کے عنوان سے یوں تصریح کیا ہے" تصریح کی لکھنا چاہیئے تھا (ص ۱۶۹) جلد نمبر ۱ (ادبیاتِ اردو پنجم) ص ۲۷۴ پر لکھا ہے "علامہ شبلی کی وفات اسی صدی کا واقعہ ہے، مگر تعجب ہے، کہ مختلف اہلِ قلم نے سنہ وفات تک کے بیان میں اختلاف کیا ہے" حالانکہ ان کی وفات ۱۸ نومبر سنہ ۱۹۱۴ء کے بارے میں کوئی اختلاف ہی نہیں ہے، خطبات مدراس کے سلسلہ میں حاشیہ میں تحریر ہے "کتاب کا پہلا حصہ سنہ ۱۹۱۵ء میں مکمل ہو گیا تھا، (ایضاً ص ۲۸۱) یہ بالکل غلط ہے "خطباتِ مدراس" صرف ایک ہی جلد میں ہے جو اکتوبر سنہ ۱۹۲۵ء میں مدراس میں سیرت نبوی پر دیئے گئے، آٹھ خطبات کا مجموعہ ہے، تفصیل کے لئے حیاتِ سلیمان ص ۲۸۹ دیکھئے، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی کتاب "ہندوستانی مسلمان" کا سنہ اشاعت سنہ ۱۶۹۱ء لکھا ہے، جب کہ سنہ ۱۹۶۱ء صحیح ہے، یہ غالباً کتابت کی غلطی ہے، مگر بہت افسوسناک ہے (ایضاً ص ۳۵۸) مولانا حفظ الرحمن کا نام مولانا حفیظ الرحمن لکھا ہے، (ایضاً ص ۳۶۳) مولانا حاجی معین الدین ندوی کی کتاب مہاجرین کی ۴ جلدیں نہیں دو ہی جلدیں ہیں، (ایضاً ص ۳۷۱) عبد الرزاق قریشی کی کتاب "مرزا مظہر جانجاناں اور ان کا اردو کلام" پی، ایچ، ڈی کا مقالہ نہیں ہے، یہ کتاب پہلے بمبئی سے اور

اب اس کا دوسرا ایڈیشن دار المصنفین سے شائع ہوا ہے، (ایضاً ص ۴۶۷) جماعتِ اسلامی ہند کے ترجمان "زندگی" کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ادبی محاذ پر کام کر رہا ہے، جبکہ یہ ایک دینی وعلمی ماہنامہ ہے، (ایضاً ص ۵۰۴) سفرنامہ برما کو مولانا سید سلیمان ندوی کی تصنیف لکھا گیا ہے، یہ دراصل مولانا سید ابوظفر ندوی کا سفرنامہ ہے، جو محبوب المطابع دہلی سے شائع ہوا ہے، (ایضاً ص ۵۰۸) جلد ۱۰ ص ۵۹۴ پر حاجی محمد زبیر کے سفرنامہ کا نام "حجاز میں" درج ہے جبکہ پورا نام "چند دن حجاز میں" ہے، سفرِ حجاز کے سلسلہ بعض اہم سفرناموں کا ذکر رہ گیا ہے، جیسے قاضی عدیل عباسی، شورش کاشمیری، عبدالکریم ثمر اور شفیق جون پوری وغیرہ کے سفرنامے، جلد ۱۰ ص ۵۹۶ پر اندرونِ ملک کے سفرناموں میں جگن ناتھ آزاد کے جنوبی ہند میں دو ہفتے، مولوی عبدالمجید کے سیرِ کشمیر اور صبغۃ اللہ شہید کے گلگشتِ دکن وغیرہ کا ذکر رہ گیا ہے، (ایضاً ص ۵۹۴) آسٹریلیوی نو مسلم محمد اسد نے اپنا سفرنامہ "روڈ ٹو مکہ" کے نام سے لکھا تھا، اس کا اردو ترجمہ "طوفان سے ساحل تک" محمد الحسنی ندوی مرحوم نے کیا ہے، (ایضاً ص ۶۱۰) سوانحی ادب میں بعض اہم سوانح عمریوں کا ذکر رہ گیا ہے، جب کہ بعض مختصر اور ناقابلِ ذکر سوانح عمریوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان سوانح عمریوں کا ذکر کرنا چاہیے تھا، نظام الملک طوسی مصنفہ مولانا عبدالرزاق کانپوری، مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کی تذکرۂ بابر، سید حسن برنی کی البیرونی، نواب علی حسن خان کی سیرتِ والاجاہی، مولانا مسعود عالم ندوی کی محاسنِ سجاد، مولانا مناظر احسن گیلانی کی سوانح قاسمی، محمد امین زبیری کی حیات سلطانی، غلام محمد کی حیاتِ اشرف، سید عشرت حسین کی حیاتِ اکبر، سید ابوظفر ندوی کی حیات طاہر پٹنی، سید محمد ازہر کی حیاتِ انور، سخاوت مرزا کی تذکرہ حضرت مخدوم، قاضی تلمذ حسین کی صاحب المثنوی، پروفیسر مسعود احمد کی شاہ محمد غوث گوالیاری، پروفیسر فرمان کی حیاتِ مجدد، مولانا ثانی

حسنی کی حیاتِ مولانا محمد یوسف، عبداللطیف اعظمی کی حیاتِ عبدالحق، محمد ظہیر الدین کی محمود گاواں، مولانا صبغۃ اللہ کی مناقبِ رزاقیہ، سید شہاب الدین دسنوی کا ترجمہ محمد علی جناح، سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی ڈاکٹر سید محمود، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی حیاتِ عبدالحیٔ، پروفیسر جلیل الرحمٰن کی ابوالطیب متنبی، ڈاکٹر سید وحید اشرف کی حیاتِ سید اشرف جہانگیر سمنانی، مولانا عبدالسلام ندوی کی حکمائے اسلام، مفتی رضا انصاری کی بانی درس نظامی، قاضی عبدالغفار کی حیاتِ اجمل، غلام محمد کا تذکرۂ سلیمان، یوسف کوکن عمری کی حیاتِ ابن تیمیہ، مولانا ظفر احمد عثمانی کی حیات منصور حلاج، ممتاز علی آہ کی سیرتِ امیر مینائی، محمد ایوب قادری کی مولانا احسن نانوتوی، عزیز الرحمٰن جامعی کی رئیس الاحرار، مولانا شاہ معین الدین ندوی کی حیاتِ سلیمان و معارف سلیمان نمبر، مولانا منظور نعمانی کا تذکرہ حضرت مجدد الف ثانی، خورشید مصطفیٰ رضوی کی حیاتِ ذاکر حسین وغیرہ (ایضاً ص ۶۱۲) قلمی خاکوں اور جھلکیوں کے ضمن میں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کی یادِ رفتگاں، ضیاء الدین برنی کی عظمتِ رفتہ اور رئیس احمد جعفری کی دید و شنید کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، (جلد ۱۰ ص ۶۱۴) ڈاکٹر یوسف حسین خان کی آپ بیتی 'یادوں کی دنیا' کا ذکر بھی نہیں کیا گیا، حالانکہ یہ کتاب سوانحی ادب میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے، حیرت ہے کہ جوش ملیح آبادی کی یادوں کی برات کا ذکر ہے، جب کہ سنجیدہ سوانح عمریوں میں اس کا شمار مشکل ہے، (ایضاً ص ۶۲۱) مولانا عبدالماجد دریابادی نے مولانا سید سلیمان ندوی کے مکاتیب کا جو مجموعہ شائع کیا ہے، اس کا صحیح نام مکتوباتِ سلیمانی ہے، اس کو دو جلدوں میں صدق جدید بکڈپو لکھنؤ نے شائع کیا ہے (ایضاً ص ۶۳۰) "شعرائے اردو کے تذکرے" کے مصنف کا نام ڈاکٹر محمد حنیف فوق تحریر کیا گیا ہے، ان کا نام حنیف نقوی ہے، (ایضاً ص ۷۰۵) امداد صابری کی کتاب

"اردو صحافت" ایک کے بجائے تین جلدوں میں ہے، (ایضاً ص ۲۲) "اسلام اور غیر اسلامی مذاہب کی ترویج میں اردو کا حصہ" ڈاکٹر محمد نذیر کی نہیں ڈاکٹر محمد عزیر کی تصنیف ہے، (ایضاً ص ۴۷) الادب المفرد امام باری کی نہیں امام بخاری کی شہرۂ آفاق کتاب ہے، (ایضاً ص ۴۴) بلوغ المرام کو بلوغ الحرام تحریر کیا ہے، عجالۂ نافعہ مع شرح فوائد جامعہ کو شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی تصنیف بتایا ہے، حالانکہ شاہ صاحب کے رسالہ کا نام صرف عجالۂ نافعہ ہے، یہ نام مولانا عبد الحلیم چشتی کی شرح کا ہے، اس میں پہلے اصل فارسی متن، پھر اس کا اردو ترجمہ اور آخر میں شرح درج ہے، لیکن مقالہ نگار نے مولانا عبد الحلیم کا کوئی ذکر نہیں کیا، (ایضاً) اصح السیر کے مصنف مولانا حکیم عبد الرؤف دیناپوری نہیں داناپوری ہیں، (ایضاً ص ۴۱) عبد العظیم شرف الدین کی عربی کتاب کا نام "حیات ابن القیم لکھا ہے، جب کہ حیات ابن قیم ہے، (ایضاً ص ۴۴) تذکرۃ الرشید کے مصنف مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نہیں بلکہ یہ ان کی سوانح حیات ہے، اس کے مصنف مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ہیں (ایضاً ص ۴۴) سوانح حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ کے مصنف مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ہیں، (ایضاً ج ۲، ص ۵۴) اقبالؒ کہانی کے مصنف ظہیر الدین جامعی کو ظہور الدین الجامی تحریر کیا گیا ہے (ایضاً ج ۲، ص ۰۰) اقبال امام ادب کے مصنف رئیس احمد جعفری ہیں نہ کہ انیس احمد جعفری (ایضاً ج ۲، ص ۸۰) مولانا عبد السلام ندوی کی تصانیف میں "عمر خیام" کو شامل کیا گیا ہے، جب کہ یہ مولانا سید سلیمان ندوی کی مشہور کتاب ہے، اسی طرح تاریخ التشریع الاسلامی کے مصنف شیخ الخضری ہیں نہ کہ محمد ظفری (ایضاً ج ۲، ص ۲۰۳) اسلام کا قانون فوجداری مولانا عبد السلام ندوی کی تصنیف نہیں بلکہ اردو ترجمہ ہے، (ایضاً)

اردو ادبیات کی پندرہویں جلد اردو ادبیات کے اشاریہ پر مشتمل ہے یہ اشاریہ بہت مفصل ہے، اس میں اخبارات و رسائل، ادارے، ادبی اصطلاحات، ادوار، اشخاص، اصناف ادب، اقوام و قبائل، السنہ، امکنہ، تعلیم و تدریس، تحریکات، تہذیب و تمدن، تعمیرات، ادبیات، شعر و شاعری، علوم و فنون، عمارات، کتب، مناصب اور واقعات کے تحت الگ الگ اشاریے دیئے گئے ہیں، ذیل میں صرف کتابوں کے اشاریے کی غلطیوں کی نشاندہی کی جاتی ہے،

اخلاق جلالی کو جلال الدین سیوطی کی تصنیف لکھا گیا ہے، دراصل نام میں مشابہت کی وجہ سے یہ غلطی ہوئی ہے، یہ علامہ جلال الدین دوانی کی مشہور کتاب ہے (ص ۳۲۰) اردو ادب کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی محرکات از ڈاکٹر محمد حنیف فوق لکھا ہے، جبکہ محمد حنیف نقوی لکھنا چاہیئے، (ص ۳۳۱) ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کی کتاب کا نام ایک جگہ "اردو ادب کے مکتوبی ادب کا ارتقاء" اور دوسری جگہ "اردو میں مکاتیب نگاری کا ارتقاء" لکھا گیا ہے، آخر الذکر صحیح ہے، (ص ۳۳۴) اسلام کا سیاسی نظام کے مصنف کا نام نہیں لکھا گیا، اس کے مصنف مولانا محمد اسحٰق سندیلوی ہیں، (ص ۳۳۲) اشرف السوانح کے مصنف خواجہ عزیز الحسن مجذوب ہیں، (ص ۳۳۸) اسی طرح الرای الصحیح فی من ھو الذبیح نہیں الذبیح لکھنا چاہیئے، (ص ۳۴۴) العلم والعلماء، یہ علامہ ابن عبد البرؒ کی تصنیف جامع العلم وفضلہ کا ترجمہ ہے، جو مولانا ابو الکلام آزاد کے ایمائے مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی نے کیا تھا (ایضاً) انوار العیون کے مرتب شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ ہیں، یہ شیخ عبد الحق ردولویؒ کے حالات و ملفوظات کا مجموعہ ہے، اس کا ایک اچھا قلمی نسخہ ذخیرہ عبد السلام مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے، انوار العیون کا اردو ترجمہ در مکنون کے

نام سے دہلی سے شائع ہو چکا ہے، (ص ۳۴۰) تاریخ ابن خلدون کی دس جلدوں کو دارالمصنفین
کی مطبوعات میں شمار کیا ہے، یہ صحیح نہیں ہے، البتہ ابن خلدون کے نام سے مولانا عبدالسلام
ندوی نے ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی کتاب کا اردو ترجمہ کیا تھا، جو دارالمصنفین سے شائع ہوا ہے،
مگر یہ صرف ایک جلد میں ہے، (ص ۳۵۰) تاریخ دولتِ عثمانیہ کے مصنف مولانا عبدالسلام
ندوی کے بجائے ڈاکٹر محمد عزیر ہیں، تاریخ ردّہ دارالمصنفین کی مطبوعات میں نہیں ہے،
(ص ۳۰۸) تاریخ اندلس اور تاریخ صقلیہ کے مصنف مولانا سید ریاست علی ندوی
مرحوم ہیں، (ص ۳۵۹) مولانا بدر عالم میرٹھی کی کتاب کا نام ترجمۃ السنۃ نہیں، ترجمان
السنۃ ہے، اور یہ چار جلدوں میں ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوئی ہے، (ص ۳۶۲)
خلفائے راشدین اور اہل بیتِ کرام کے تعلقات دارالمصنفین کی مطبوعہ نہیں ہے (ص ۳۸۲)
مولانا عبدالماجد دریابادی کی کتاب کا نام ذاتی ڈائری کے چند نقوش نہیں، محمد علی
ذاتی ڈائری کے چند ورق" ہے، (ص ۳۹۲) سوانح حضرت رائے پوری دارالمصنفین کی مطبوعات
میں نہیں ہے (ص ۴۰۳) شبلی ڈاکٹر علی احمد ہاشمی کی نہیں سخی احمد ہاشمی کی کتاب ہے، (ص ۴۰۰) صبح گلشن
یہ علی حسین خان کی نہیں نواب علی حسن خاں کی تصنیف ہے، (ص ۴۱۰) عمر خیام مولانا عبدالسلام ندوی
کی نہیں مولانا سید سلیمان ندوی کی کتاب ہے، (ص ۴۱۵) فتاویٰ رشیدیہ دارالمصنفین کی مطبوعات
میں نہیں ہے، (ص ۴۰۰) مولانا محمد زکریا کی کتاب کا نام فضائل روزہ نہیں فضائل رمضان ہے (ص ۴۱۹)
غلام علی آزاد بلگرامی کی کتاب کا نام مآثر الاحرام نہیں، مآثر الکرام ہے، (ص ۴۳۵) مسلمانوں کا نظام
مملکت، دارالمصنفین کی نہیں ندوۃ المصنفین کی شائع کردہ ہے (۴۴۲) مکاتیب سلیمان کے مرتب سلطان احمد
ندوی نہیں مولانا مسعود عالم ندوی ہیں، (ص ۴۴۰) مکتوبات شیخ الاسلام دارالمصنفین
کے سلسلہ کی کتاب نہیں ہے، بلکہ وہ معارف پریس کی چھپی ہوئی ہے، (ایضاً)

مطبوعات جدیدہ

"تاریخی مقالات": مرتبہ جناب محمد اسلم صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۲۰۸،
مجلد مع گردپوش، قیمت ۵؎، پتہ:- ندوۃ المصنفین، ۹۵۰، این اسمن آباد، لاہور،

جناب محمد اسلم استاد شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی کا نام علمی حلقوں کے لیے نامانوس نہیں ہے، ان کے
زیر نظر علمی و تاریخی مضامین کے مجموعہ میں تیرہ مضامین درج ہیں، پہلے مضمون میں اس مشہور اور زبان زد قصہ کی
تردید کی گئی ہے کہ حضرت بابا فرید گنج شکر کے حبالۂ عقد میں سلطان غیاث الدین بلبن کی کوئی صاحبزادی تھیں، آخری
مضمون میں حضرت داتا گنج بخش کی لاہور میں آمد کا جو سنہ بتایا جاتا ہے اس کو اور ان سے متعلق واقعہ کو بے سرو پا ثابت کیا ہے
ایک مضمون میں اورنگ زیب کی تخت نشینی میں علماء و مشائخ کا حصہ دکھایا ہے، اس سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی
اور ان کے خلفاء و اولاد کا خاص طور پر ذکر ہے، مقالہ نگار کے خیال میں دارا شکوہ کے الحاد اور بدعقیدگی کی وجہ
سے دین پسند طبقہ کی تائید و حمایت اورنگ زیب کو حاصل ہو گئی تھی، چند مضامین میں نادر اور اہم کتابوں کا تعارف
اور ان کے مصنفین کے حالات درج ہیں بعض مضامین میں مسلمانوں کی جغرافیائی، علمی اور تعمیری خدمات اور مغل حکمرانوں
کی موسیقی سے دلچسپی کا ذکر ہے، مگر یہ مختصر ہیں جس کا پیش لفظ میں پروفیسر شیخ عبدالرشید نے بھی ذکر کیا ہے، ان موضوعات
پر مستقل کتابیں اور مفصل مقالے پہلے سے موجود ہیں، مصنف نے ان پر کوئی خاص اضافہ نہیں کیا ہے، کہیں کہیں انداز تحریر
شائستگی کے خلاف ہے، جیسے "مورخین نے بلبن کی جس درویش نوازی کا بڑے زور و شور سے ڈھنڈورا پیٹا ہے"
(۳۰) اسی طرح حضرت داتا گنج کے لاہور آنے کے متعلق فوائد الفواد کی ایک روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ "یہ روایت
کثرت سے تذکروں میں پائی جاتی ہے کہ اب ہر شخص بلاچون و چرا اسے تسلیم کر چکا ہے اور اس کا منکر بدعقیدہ اور بدمذہب ہونے کی تہمت سے
نہیں بچ سکتا" (۲۰۰) اس روایت کو بے اصل ثابت کرنے کی ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ اس میں حضرت داتا گنج بخش کو ایک جگہ
شیخ علی ہجویری، دوسری جگہ خواجہ ہجویری، تیسری جگہ علی ہجویری لکھا گیا ہے، اگر اس طرح روایتیں بے اعتبار ہونے لگیں تو

کوئی روایت مستند نہیں ہو سکتی تو زیر نظر مجموعہ کے پہلے مضمون کے پہلے ہی صفحہ پر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا نام تین طرح سے لکھا گیا ہے، سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء، سلطان المشائخ، حضرت نظام الدین اولیاء کیا اس کی وجہ سے اس تحریر کو بے اصل اور الحاقی قرار دیا جا سکتا ہے۔

ابن کثیرؒ ۔ مرتبہ ڈاکٹر مسعود الرحمن خاں ندوی تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ صفحات ۲۰۲ قیمت للعہ پتہ شعبۂ نشر و اشاعت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

حافظ ابن کثیرؒ آٹھویں صدی ہجری کے ممتاز علماء میں تھے، ڈاکٹر مسعود الرحمن خاں ندوی نے ان پر عربی زبان میں تحقیقی مقالہ لکھ کر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی ہے، اس مقالہ کا ابھی پہلا حصہ شائع ہوا ہے، اس کے شروع کے تین ابواب میں ابن کثیر کے زمانہ کی علمی، فکری، سیاسی اور تمدنی حالت ان کے نسب، خاندان، اعزہ اور وطن کے متعلق معلومات اور ان کی تعلیم و تربیت، علمی سفر اور اساتذہ وغیرہ کا تذکرہ ہے، چوتھا باب ابن کثیر کے کارناموں پر مشتمل ہے، اس میں ان کے درس، تصنیفات، شاعری اور تلامذہ کا ذکر ہے، لائق مصنف نے ابن کثیر کی تصنیفات کو خاص ماخذ بنایا ہے، اس طرح اس میں انکے بعض ایسے شیوخ، تلامذہ اور تصنیفات کا بھی ذکر ہے، جن سے قدیم تذکرے خالی ہیں، مصنف نے بعض غلط واقعات کی تردید اور مختلف روایتوں میں جمع و تطبیق بھی دی ہے، ان کی محنت لائق تحسین ہے، مگر پہلا باب مختصر ہے، اس میں ابن کثیر کے پر آشوب دور کا اور مفصل ذکر ہونا چاہیئے تھا،

ضروری تصحیح ۔ گذشتہ شمارہ کے آخری صفحہ پر کتابت کی غلطی سے یہ چھپ گیا ہے "سیرت شامی کوئی کتاب نہیں" اس کو یوں لکھا گیا تھا، "سیرت شامی کوئی قدیم کتاب نہیں" کیونکہ محمد بن یوسف (م ۹۴۲ھ) کی کتاب سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد کا شمار قدیم کتب سیر میں نہیں ہوتا، یہ سیرت شامی کے نام سے مشہور اور ابھی تک غیر مطبوعہ ہے، اس نمبر میں اس کی تصحیح کی جانے والی ہی تھی کہ معارف کے دیرینہ کرمفرما اور نامور محقق ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے پیرس سے اپنے مکتوب گرامی میں اس کی جانب توجہ دلائی جس کے لیے ہم ان کے بہت شکر گذار ہیں، ان ہی سے معلوم ہوا کہ اگر چھپی تو دس بارہ جلدوں میں آئے گی،

(ص)

جلد ۱۲۵ ماہ ربیع الاوّل سنہ ۱۴۰۰ھ مطابق ماہ فروری سنہ ۱۹۸۰ء عدد ۲

مضامین

شذرات — سید صباح الدین عبد الرحمن — ۸۲-۸۴

مقالات

مولانا شبلیؒ اور ان کی فارسی خدمات — ڈاکٹر نذیر احمد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ — ۸۵-۱۰۹
سیرت نبویؐ کی ایک اہم کتاب الشفاء پر ایک نظر — ضیاء الدین اصلاحی — ۱۱۰-۱۲۴
مولانا سید محمد شاہ نقوی محدث رام پوری — جناب سید بہار الحق صاحب رضوی ایم۔ اے (علیگ) رام پور — ۱۲۵-۱۳۵
ڈاکٹر مولانا عبد اللہ عباس ندوی کے مکتوب پر تبصرہ، — جناب آغا رشید مرزا صاحب کلکتہ — ۱۳۶-۱۴۱

بابُ التقریظ والانتقاد

تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند حصہ دوم (عربی ادب) — محمد منصور نعمانی ندوی رفیق دار المصنفین — ۱۴۲-۱۵۸
مطبوعات جدیدہ — م - ن — ۱۵۹-۱۶۰